مہابھنشکرمن
عنبر بہرائچی

مہابھنشکرمن

عنبر بہرائچی

- نامِ کتاب ـــــــ مہا بھنشکرمن
- شاعر ـــــــ عنبر بہرائچی
- پبلشر ـــــــ شائستہ عنبر
- کتابت ـــــــ حسن اختر، لکھنؤ
- مطبوعہ ـــــــ یونائیٹڈ بلاک پرنٹرس، لکھنؤ
- تعداد ـــــــ پانچ سو
- تاریخ اشاعت ـــــــ ستمبر ۱۹۸۷ء
- قیمت ـــــــ اسّی روپے

ملنے کا پتہ:
- دانش محل، امین آباد، لکھنؤ
- نصرت پبلشرز حیدری مارکیٹ امین آباد۔ لکھنؤ
- ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ

MAHABHINISHKRAMAN — AMBER BAHRAICHI

اپنے
مرحوم بیٹے
جامی
کے نام

جس کی کرب ناک موت نے
مجھے
زندہ رہنے
کا
شعور بخشا۔!

فہرست

دیباچہ

ہندوستان کی تاریخ میں گوتم بدھ پہلے عظیم انسان ہیں جنھوں نے آج سے ڈھائی ہزار برس قبل ذات پات، زبان اور علاقے سے متعلق تعصّب اور تشدّد کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی۔ انھوں نے پوری انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ دُنیا میں انسان سے بہتر کوئی اور مخلوق نہیں ہے، وہ خود اپنا اور اپنی دنیا کا خالق ہے۔ دُنیا کے اچھے یا بُرے ہونے کے پسِ پشت، صرف ایک وجہ انسان کی اچھائی یا بُرائی ہے۔ جس طرح ایک ماں، اپنے اکلوتے بچّے کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کرتی، اسی طرح ہر انسان کو چاہیے کہ وہ ساری مخلوقات کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ اُن کی دلی خواہش یہی تھی کہ پورے عالمِ انسانیت میں اخوت اور محبّت کا مضبوط رشتہ قائم کیا جاسکے۔

انھوں نے انسانوں کی فلاح اور بہبود کے لیے مذہب کی حدود کا بھی تعین کیا اور یہ فرمایا کہ مذہب سر پہ ڈھونے کی چیز نہیں ہے۔ وہ تو بانس کے اس بیڑے کی طرح ہے جس کے سہارے ایک بے سہارا انسان دریا کو پار کر جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی جھگڑا نہیں ہے کہ بُرائی کو ترک کرنا ہے لیکن بُرائی اور شیطنت کی طرح ہمیں مذہب کو بھی ترک کرنا پڑے گا۔ مذہب کیا ہے؟ بُرائی کیا ہے؟ اس کے لیے بقول گوتم بدھ کسی کتاب کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔ اپنے معتقدین سے انھوں نے زور دے کر کہا کہ میں نے جو کچھ تمھیں بتایا ہے اس کا پورا امتحان لو، اُسے

پر رکھو تبھی اسے قبول کرو۔

کون سا آدمی اچھا ہے؟ اس کے بارے میں انھوں نے فرمایا کہ کسی شخص کے اچھا ہونے کا فیصلہ، اس کی ذات، خاندان اور نسل سے نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ذات، خاندان اور نسل دراصل ہوتے ہی نہیں ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کی ذات کے بارے میں استفسار کیا جائے۔ اگر پوچھنا ہی ہے تو اس شخص کے کردار کے بارے میں پوچھا جائے۔ اسی طرح انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی زبان پاکیزہ یا بہترین نہیں ہوتی۔ جس زبان میں سارے عالم انسانیت کے لئے بھلائی کی باتیں ہوں وہی زبان بہترین زبان ہے۔ انھوں نے پرزور الفاظ میں یہ کہا کہ الفاظ کی پناہ میں مت جاؤ۔ اُن کے اندر چھپے ہوئے معانی تلاش کرو اور اس طرح انھوں نے فلاحِ عوام کے لیے عوامی زبان کی اہمیت کو قبول کیا، اور اپنے ماننے والوں سے کہا کہ لوگوں تک میری باتیں عوامی زبان میں لے جاؤ، نہ کہ ان زبانوں میں جو کہ صرف اُمرا یا کسی مخصوص طبقے کی زبانیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں برس قبل دنیا کی سیکڑوں علاقائی زبانوں میں اُن کے ملفوظات اور ارشادات قلم بند کیے گئے۔ کسی جگہ کی اوّلیت اور پاکیزگی سے بھی انھوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ کوئی بھی جگہ خوبصورت اور دل کش نہیں ہوتی، بلکہ جس جگہ اچھے کردار والے انسان رہتے ہیں وہی جگہ خوبصورت اور پرکشش ہوتی ہے۔

انھوں نے ملوکیت کی جگہ جمہوریت کو اوّلیت دی اور فرد کی بہ نسبت جماعت کو بہتر مانا، اور اسی لئے جمہوریت کے آدرشوں کی بنیاد پر ہی انھوں نے اپنے "سنگھ" کے اصولوں کو مرتب کیا۔ انھوں نے جمہوریت کی اچھائیوں کو قبول کرتے ہوئے انھیں اپنانے کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور فرمایا کہ جب تک جمہوریت کے ممبران باہمی اتحاد کو قائم رکھیں گے، باہمی اختلافات کو بھلا کر فیصلے کرتے رہیں گے، اور جو بھی فیصلے کریں گے ان پر عمل بھی کرتے رہیں گے تب تک اس جمہوریت کو باہری طاقتیں زیر نہیں کر سکتیں۔ انھوں نے جمہوریت کے ضابطۂ اخلاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ

اس کے ذریعہ ضعیفوں اور عورتوں کا استحصال نہیں ہونا چاہیے بلکہ انھیں ایک خاص احترام کا درجہ ملنا چاہیے۔ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار انھوں نے عورتوں کا "سنگھ" بھی بنانے کی پیش رفت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواتین نے بھی مابعد الطبیعات کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی۔ مساوات کا جو احساس جمہوریت میں تھا اسے اور زیادہ اہم مانتے ہوئے انھوں نے اس کو "سنگھ" میں اپنایا اور واضع طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح مختلف سمتوں سے گنگا، سرجو، اور راپتی وغیرہ تمام دریا آکر سمندر میں مل کر اپنی شکل، نام اور رنگ کھو دیتے ہیں اور صرف سمندر کا ایک رنگ اور روپ دیکھنے کو ملتا ہے، ٹھیک اسی طرح مختلف ذاتوں، خاندانوں اور قوموں کے افراد "سنگھ" میں شامل ہوکر ایک ہو جاتے ہیں اور وہاں سبھی ہم رتبہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں مختلف اوقات میں "سنگھ" کے سر برآوردہ اشخاص میں مختلف ذاتوں کے لوگ بھی شامل ہوئے۔

"سنگھ" کے ضابطۂ اخلاق کے ذریعہ گوتم بدھ نے ایک انسانیت پرست اور لچکدار تہذیب کو جنم دیا۔ اُن کی ذاتی زندگی سے ایسے پچاسوں واقعات منسلک ہیں جن کے زیر اثر روایتی ہندوستانی تہذیب، ایک نئی شکل اختیار کر سکی۔ مثلاً ایک دن صبح صادق کا واقعہ ہے کہ "شاکیہ" جمہوریت کا شاہزادہ شاہی محل کی تمام آسائشوں کو ترک کر کے "سنگھ" میں شامل ہونے کے لئے چل پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کا خادم ایک نائی، جو کہ شودر تھا، حیرت میں پڑ گیا۔ اس نے بھی سوچا کہ جب یہ نوجوان ساری مادی خوشیوں کو ترک کر کے "بھکشو" ہونے جا رہا ہے تو میں ہمیشہ کا دکھی اور غریب خادم کیا کروں؟ آخر وہ بھی شاہزادے کے پیچھے پیچھے سنگھ کی طرف چل پڑا اور وہاں پہنچنے پر اس نے بھی "بھکشو" ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ شہزادے نے یہ سوچا کہ ابھی تک یہ نائی ہم لوگوں کا خادم تھا، "سنگھ" میں شامل ہونے پر بھی اس میں خادم ہونے کا احساس باقی نہ رہے، اسلئے ہم لوگوں میں سب سے پہلے یہی "سنگھ" کا امیر بنے۔

اور یہی ہوا بھی۔ اس طرح گوتم بدھ کی وفات کے بعد "مہا کاشیپ" (महाकाश्यप) کی صدارت میں جو پہلی "مہا سنگیتی" (महासंगीति) منعقد ہوئی تھی اس کی ایک اہم مجلس کی صدارت بھی اسی نائی بھکشو نے کی، جس کا نام "اُپالی" تھا ـــــ اس طرح گوتم بدھ نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کے اندر نہ جانے کتنے شودر، اونچی ذات والوں کے شانہ بشانہ "سنگھ" کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔

اقتصادی برابری کے نقطۂ نظر سے گوتم بدھ نے ذاتی ملکیت سے انکار کیا انھوں نے ملکیت کا حق، فرد کے بجائے "سنگھ" کو دینا مناسب سمجھا، اور فرد نیز جماعت کی زندگی کو ہموار بنائے رکھنے کے لئے میانہ روی کو اختیار کرنے کی صلاح دی زیادہ سخت کوشی اور زیادہ آرام طلبی دونوں کو انھوں نے بُرا کہا۔ اسی لئے انھوں نے غربت اور عیش پسندی دونوں سے نفرت کی۔ ساتھ ہی ساتھ ذات کی بنیاد پر روایتی ذریعۂ معاش کی مخالفت بھی کی، اور اہلیت نیز مشقت کے ذریعۂ معاش کی حوصلہ افزائی کی۔

گوتم بدھ نے ان سماجی تبدیلیوں کو ایک بڑی بنیاد دینے کے نقطۂ نظر سے اسی کے مطابق ایک فلسفیانہ اصول بھی پیش کیا جسے انھوں نے ایک مخصوص لفظ "پرتیتیہ سُمتپاد" (प्रतीत्यसमुत्पाद) دیا۔ اسی اصول کے مطابق فرد یا جماعت کی سطح پر داخلی اور خارجی زندگی میں جو بھی چھوٹا یا بڑا واقعہ رونما ہوتا ہے اس کے پس پشت ایک نہیں بلکہ سیکڑوں وجوہ کارفرما رہتی ہیں۔ ان وجوہ میں کوئی وجہ اہم یا معمولی نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی طور پر ان سب کی موجودگی لازمی ہوتی ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان وجوہ میں کچھ تغیر پذیر ہوں اور کچھ دائمی ہوں۔ ان کے مجموعہ میں سبھی ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ کوئی بھی واقعہ، وجوہ کی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فرد یا سماج کے بارے میں ہونے والے واقعات کے پیچھے جو اسباب و علل کام کرتے ہیں ان میں کوئی بھی دائمی اور جامد نہیں ہوتا۔

اس پورے اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دُنیائے آب وگل میں ہر چیز تغیر پذیر ہے اور اس تغیر کو جاری وساری رکھنے کے لئے ان وجوہ اور اسباب وعلل کا اشتراکِ باہمی لازم ہے، ایسا بھی نہیں ہے کہ کوئی کام اپنے آپ بغیر سبب ہو جاتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ ہر واقعہ کے رونما ہونے میں داخلی اور خارجی دونوں طرح کی تیاری بہت ضروری ہے۔ انھوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ تبدیلی کی شروعات، شعور سے ہوتی ہے۔ تغیر کے پیچھے اس ذہنی تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ نفرت وبغض، توہمات اور جہالت سے یکسر پاک ہو۔

غم کی وجہ اور اس کے تدارک کی کھوج ہی گوتم بدھ کی تعلیمات کا اہم حصّہ ہے۔ غم کا مسئلہ صرف اور صرف انسانی ہے۔ زمان ومکان اور حالات کے درمیان اس میں کچھ خارجی فرق ضرور نظر آتا ہے مگر اس کی داخلی جذباتیت اور زندگی پر اس کا نفسیاتی اثر اکثر مساوی رہتا ہے۔ اس کا بنیادی سبب انسان کی ذہنی تعمیر ہے جو کہ اس کی شخصیت کا جزوِ لاینفک بن جاتی ہے۔ وہ صرف شخصی تعمیر کا موجب نہیں ہے بلکہ مذہب، تہذیب اور تعلیم وغیرہ کے ذریعہ ایک وسیع شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح غم کا مسئلہ عظیم اور تاریخی نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ گوتم بدھ اس عظیم تعمیر کی جڑ میں دو عناصر کار فرما مانتے ہیں، اول خواہش، دوم لاعلمی۔ خواہش لاعلمی کی وسیع شکل ہے۔ باہر اور اندر ہر طرف سے انسان کی ساری زندگی خواہشات سے جکڑی ہوئی ہے۔ ان پر کس طرح قابو پایا جائے، اس کے لئے انھوں نے تین طریقے بتائے۔ اول انسان کی روزمرہ زندگی گزارنے کا طور طریقہ، دوم ان طور طریقوں کے پیچھے حوصلہ افزائی کرنے والا دل اور سوم ایسے دل کے ذریعہ نتیجہ اخذ کرنے والا شعور (प्रज्ञा) ان تینوں طریقوں کو بھی انھوں نے آزاد نہیں چھوڑا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ تینوں باہمی طور پر لازم وملزوم ہیں۔

وہی عمل اور طریقہ نیک کہا جائے گا، جس سے فیصلہ کرنے والا شعور (प्रज्ञा)

تعاون کرے گا، اور اس کا ساتھ وہ جذبات دیں گے جو بغض و عناد سے قطعی پاک ہوں۔
اس طرح کے شعور کو وہ شعورِ کامل کہتے ہیں، اسی لئے وہ ہر طرح کے علم، اصول اور عقل کو شعورِ کامل (प्रज्ञा) کا درجہ نہیں دیتے اور اسی لئے وہ ایسے تمام علم اور اصولوں کو ترک کرنے کی تلقین کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ یہ تبھی ممکن ہو سکے گا جب انسان داخلی اور خارجی حالات کا بے لاگ مشاہدہ کرے گا۔

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی سب سے بڑی خواہش خود انسان ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا اپنے وجود کے لئے والہانہ لگاؤ ہی اس کی سب سے بڑی خواہش ہے وہ اپنی اس ساخت اور ہیئت کو توڑنا نہیں چاہتا، کیونکہ اس نے خود کو اپنے ہی ہاتھوں بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے خوابوں کی دُنیا میں زندہ رہنا لطف دیتا ہے، اور اس حالت کو ختم کرنے والا کوئی دوسرا بھی نہیں ہے۔ ان کے مطابق انسان کے مسائل کا حل کسی خارجی قوت کے رحم و کرم سے نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت کو انسان اپنی آنکھوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مہاراج شدّھودن کے صاحبزادے سِدّھارتھ گوتم نے اپنی زندگی کی پوری عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے توڑا تھا اور انھوں نے اس عمارت کو گرتے ہوئے خود بھی دیکھا تھا، تبھی وہ بُدّھ بن سکے تھے۔ انسان میں اتنی ہمت کہاں سے آئے؟ اس کے لئے وہ فرماتے ہیں کہ آؤ اور زندگی کی سچائیوں کا بغور مطالعہ کرو! اپنے اندر ہی نہیں باہر بھی دیکھو، خوابوں کی دُنیا سے ہوش میں آؤ۔ اس طرح کے مشاہدے اور تجربہ سے خواہشات اپنے آپ ٹوٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ فرمایا۔ جماعت میں اگر بنیادی تبدیلی لازمی ہے تو وجود کے بارے میں عام نظریات کو بدلنا پڑے گا۔ تبدیلی کی یہ شدّت گوتم بدھ میں بدرجۂ اتم تھی اور یہی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ اسی شدّت کے زیرِ اثر جس تگ و دو اور جد و جہد نیز ذہنی کش مکش سے انھیں گزرنا پڑا، ان سے متعلق واقعات کو اس طویل نظم میں پیش کیا گیا ہے۔ میں کہاں تک کامیاب ہوا

ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام اور اربابِ حل و نقد پر چھوڑتا ہوں۔ البتہ اس ضمن میں چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اردو ادب کی تاریخ کے اس پرآشوب دور میں میرا اپنا خیال ہے کہ اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کو قدیم ہندوستان کے اساطیری اَدب اور علاقائی زبانوں کے ادب سے خاص لگاؤ پیدا کرنے اور اس سرمایہ کو اُردو کے قالب میں اس کے مزاج کے مطابق ڈھال لینے سے ہی بات بنے گی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کوشش میں اُردو کی نئی تخلیقات کا جادو عوام کے سر چڑھ کر بولے گا۔ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی یہ پہلی حقیر سی کاوش آپ سب کے سامنے ہے۔

قدیم ہندوستانی ادب، فلسفہ اور تہذیب کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے زیرِ نظر تخلیق کو قلم بند کرنے سے قبل میں نے سنسکرت ادب کے مایہ ناز بُودھ شاعر اَشوگھوش (अश्वघोष) کی عظیم تخلیق "بدھ چریتم" (बुद्ध चरितम) کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اشوگھوش، کالی داس کے ہم پلّہ ہیں۔ میں نے بیشتر واقعات اور کرداروں کو بدھ چریتم ہی سے لیا ہے لیکن پوری نظم کو اپنی اُفتادِ طبع کے لحاظ سے پیش کیا ہے۔ عین ممکنات میں سے ہے کہ اس نظم میں فنی اعتبار سے لغزشیں موجود ہوں، ان کی طرف قارئین کرام نشاندہی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

ایک بات اور، وہ یہ کہ میرے بیشتر احباب نے اس نظم کے عنوان پر اعتراض کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ عنوان اُردو زبان سے غیر مانوس ہے۔ میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ اوّلاً اُردو زبان میں باہری عناصر کو قبول کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ 'مہابھنشکرمن' کی بودھوں کے نزدیک وہی اہمیت ہے جیسا کہ اہل اسلام کے نزدیک لفظ 'ہجرت' کی اہمیت ہے۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کا ہے جو دو لفظوں سے بنا ہے۔ 'مہا' بمعنی عظیم اور "نشکرمن" بہ معنی نکلنا۔ دوسرے الفاظ میں اس لفظ کا اُردو ترجمہ غربتِ عظیم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسی لفظ کا انتخاب اس نظم کے عنوان کے لیے کیا ہے

جدید اُردو نظم میں کئی رُجحانات سامنے آئے ہیں۔ 'مہا بھنشکرمن' پر اُن میں سے کون کون سے رُجحانات اثر انداز ہوئے ہیں، اس پر خود اظہارِ خیال کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا، یہ فیصلہ بھی قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

اس نظم کی تخلیق کے دوران میں اپنے والدین، اپنی ننھی بچیوں سنبل اور صندل نیز اپنی شریکِ حیات شائستہ جی کو وقت نہیں دے سکا جس کے لئے میں ان سے معافی چاہتا ہوں۔ محترم وحید رائے بریلوی، راغب رائے بریلوی، حسن رائے بریلوی، اثر عباسی، چودھری پربھان شنکر سروش اُناوی، ظفر اقبال فتحپوری، ستیندر کمار رگھوونشی، شاہنواز قریشی، بشیر فاروقی، شیدا بلیاوی اور پدم شری بیکل اُتساہی کا ممنون و متشکر ہوں، جن کی حوصلہ افزائیاں ہمہ وقت میرے ساتھ رہیں۔

محترم رباب رشیدی کے بھرپور تعاون کے لئے ان کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے پُوری امید ہے کہ قارئینِ کرام اور ناقدینِ سخن اس نظم پر اپنے بے لاگ تبصروں کے ذریعہ میری رہنمائی فرمائیں گے ؂

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ میکدہ
اے پیرِ رہ بگوئی طریقِ صواب چیست
گر من نہ غرقِ آتش و آبم ز عشقِ تو
ایں سینۂ پُر آتش و چشمِ پُر آب چیست
(جامی)

عنبر بہرائچی
بی۔ ۵، آفیسرس کالونی
اناؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ؕ

(رعد - ۷)

اے نبی! تم ڈرانے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے ہادی آیا ہے

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ؕ

(یونس - ۴۷)

اور ہر اُمّت کے لئے رسُول آیا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

(انعام ۱۰۹)

ان ہستیوں کو بُرا نہ کہو جنھیں یہ لوگ پُکارتے ہیں خدا کے سوا، ورنہ یہ لوگ عداوت اور دُشمنی کی وجہ سے خدائے برحق کو بُرا کہنے لگیں گے

بازگشت

پھر شفق زاروں نے الٹی ہے نقابِ سُرمگیں
پھر سُنہری وادیاں جیسے عُروسانِ حسیں

خُوشبُوؤں کی بارشوں میں وہ طلوعِ صُبحِ نو
دم بہ دم خوش رنگ پھُولوں کا وہ رقصِ دلنشیں

وہ سمن بردوش کہساروں کے رنگیں سِلسلے
جِن کے دامن میں قیامِ مرغ زارِ عنبریں

اور پھر حدِّ نگہ تک سُرخ پیڑوں کی قطار
جن کے دامن میں خراماں آہوانِ احمریں

ان سے تھوڑی دُور پر خوش آب دریا ہے رواں
زرد کرنیں چُومتی ہیں جِس کی تابندہ جبیں

ایستادہ اس کے پہلو میں نہالِ معتبر
چھاؤں میں جس کی شہنشاہِ گروہِ عارفیں

یعنی، وہ گوتم، وہ مہرِ عالمِ انسانیت
ذرّے ذرّے پر لٹائے جس نے انوارِ یقیں

یعنی، وہ گوتم کہ جس کے روئے تاباں کے سبب
ایک عالم کی نگاہیں نکتہ سنج و نطق بیں

یعنی وہ گوتم، کہ جس کی شفقتوں کے درمیاں
سنگ دل رہزن ہوئے خود رہبرِ دُنیا و دیں

یعنی وہ گوتم کہ شرح و حاصلِ امن و اماں
جس کی چشمِ فیض سے شبنم فضائے آتشیں

یعنی وہ گوتم شکوہِ بزمِ رمز و آگہی
جس نے پھیلادی محبت کی ردائے صندلیں

ہاں وہی پلکوں میں بھر کر جستجو کی کہکشاں
محو ہے کسبِ ضیا پاشیٔ عرفاں میں یہیں

جس کے چہرے سے نمایاں مطلعِ عزّ و شرف
جس کی زُلفوں پر تصدّق نکہتِ وجد آفریں

جو گیا ملبوس میں گنجِ بہارِ عنصری
جس کی شبنم پاش آنکھیں منبعِ نُورِ یقیں

جس کے دل میں لالہ زارِ حسن کی نیرنگیاں
جس کے دست دیا شبابِ زندگانی کے امیں

آخرش اک نُور کے تڑکے میں ہے ڈُوبا ہوا
کھُل گئے ہیں اس پہ سارے رازہائے آن و ایں

اللہ اللہ وہ رُخِ گوتم کمالِ جلوہ زار
ہر کرن فنکاریٔ دستِ ازل کی شاہکار

اک سکونِ رُوح پرور بے مثال و لازوال
سامنے جس کے جہانِ یاس و حرماں شرمسار

لوحِ پیشانی پہ کندہ صبحِ زارِ التفات
جس سے خنداں خانۂ مسکین و قصرِ شہریار

مائلِ پرواز ہے اب اپنے ماضی کی طرف
اپنی منزل پا کے وہ خوش بختیوں کا تاجدار

جس تجسس نے دیا صحرا نوردی کا مذاق
اور توڑے ہیں جہانِ رنگ و بُو کے سب حصار

جس سے چھُوٹیں باپ کی شفقت بھری انگنائیاں
اور گلزارِ نگاہِ ناز کی دل کش بہار

پھر کہاں آخر رُخِ معصوم کی کلکاریاں
ننھی بانہوں میں اُمڈتے پیار کی شیریں پھوار

ناز کے بدلے دلائیں بے سر و سامانیاں
لالہ زاروں کی جگہ بخشی نواحِ خار زار

عیش کے بدلے جہانِ جہد کی وہ سختیاں
خود سے اک بیگانگی، خلقت کے غم میں بے قرار

ہاں وہی ذوقِ تجسس منزلوں کے شہر سے
دیکھتا ہے مڑ کے بیتی رُت کی پژمردہ بہار

رنگ محل

قصرِ زرّیں پوش میں ہر ایک شے ہے زرنگار
پُر فضا و پُر بہار و پُر شکوہ و پُر وقار

زیب تن ہے سنگِ مرمر کی قبائے دِلنواز
دُودھیا کرنوں میں پونم کی بہ رنگِ نو بہار

جانبِ اوجِ ثریا خندہ زن ہے دم بہ دم
اُلفت و جذباتِ شُدّھو دَنُ کا ہے آئینہ دار

چھت سے ہم رشتہ ہیں جس کی جھاڑ فانوس اور کنول
نور افشاں جن کی رگ رگ پر ہیں دُرِّ شاہوار

ہیں در و دیوار ان خوش منظروں سے ضو فگن
جن کے دامن کی پھبن ہیں نقرئی نقش و نگار

جمع ہیں کتنے سلیقے سے سب اسبابِ نعم
کر چکی ہو جیسے چوتھی کی دُلہن سولہ سنگھار

اطلس و کمخواب و دیبا و حریر و پرنیاں
جا بہ جا دروازہ و روزن پہ آرائش فشار

چار سُو نوخیز لالہ رُو کنیزانِ حسیں
شوخ و شنگ و تیز و چُست و خوش جمال و ہوشیار

جن کے چہرے سبزہ خط سے ابھی ناآشنا
گردِ گوتم، مثلِ غلماں ہیں وہی خدمت گزار

سامنے اُن کے اگر ہے، تو یہ فرضِ اولیں
ہر گھڑی دلجوئیِ گوتم کی دُھن میں بے قرار

قصر کی دائیں طرف ہے سبزہ کلفت شکن
دیدہ افروزی ہے جس کی ذات کا شیریں شعار

حاشیوں پر ہیں روش ہائے شفق آسا مقیم
جن کی راحت سازیوں پر رُوحِ رضواں بھی نثار

قصر کی بائیں طرف اک باغ دامن میں لئے
مختلف قسموں کے پیڑوں کی قطاریں بے شمار

جن کی ہر اک شاخ پر ہیں طائرانِ خوش نوا
جو ہوا کے رقص و سازِ برگ پر ہیں نغمہ بار

قصر کے پیچھے کی جانب ہشت پہلو جھیل ہے
جس کے اک پہلو کو چومے ہے رو پہلا آبشار

نیل گوں پانی میں اس کے ہیں کنول مہکے ہوئے
دائیں بائیں جن کی ہیں معصوم بھونرے بے بہار

جا بہ جا ہیں راج ہنسوں کی سہانی ٹولیاں
چاندنی راتوں میں جن کے حسن کا گردوں شکار

تیرتی ہیں مچھلیاں سونے کی نتھ پہنے ہوئے
کانپ جائیں جن کی شوخی پر کنول بھی بار بار

حسنِ گردوں جھیل کی تہہ میں ہے یوں جلوہ فگن
دیکھ کر جس کو نگاہِ سنگ دل بھی اشک بار

قصر کے آگے ہے نندن بن کی صورت اک چمن
جس کو تینوں سمت سے گھیرے ہوئے ہیں ہر سنگھار

تتلیوں کا رقص، وہ ٹھمکے ہوا کے، بوئے گل
مور پنکھی سی فضا میں وہ پپیہے کا ملہار

کوئلیں خوش لہجگی سے نے نوازی میں مگن
جا بہ جا دل ساز فوّاروں کی سترنگی پھوار

الغرض یہ بزمِ عشرت محفلِ عیش و طرب
اضطرابِ قلبِ شدھو دن کی ہے ادنیٰ پکار

کاہنِ اعظم کی شب گوں پیش گوئی کے سبب
لرزہ بر اندام ہیں اک باپ کے لیل و نہار

ہے یہ کوشش ہو نہ بیٹا تارک الدّنیا فقیر
باپ نے اس واسطے کھینچے ہیں یہ رنگیں حصار

ہیں اسی باعث محل میں ہر طرف شادابیاں
گوشہ گوشہ ہے شباب انگیز و معراجِ بہار

اور اس پر حکم، شہزادہ محل ہی میں رہے
تا نہ باہر آ کے دیکھے دہر کے لیل و نہار

دیکھ کر غم گیں نہ ہو پستی و رفعت کا سماں
مرگ و پیری و غم و اندوہ و شیون کے شکار

اس طرح بیراگ کے سب راستے مسدود ہوں
فطرتِ گوتم میں بس جائے محل کی ہر بہار

اور پھر وہ طے کرے یوں زندگانی کا سفر
ہو شہِ بے مثل و یکتا، فاتحِ ہر کارزار

OO
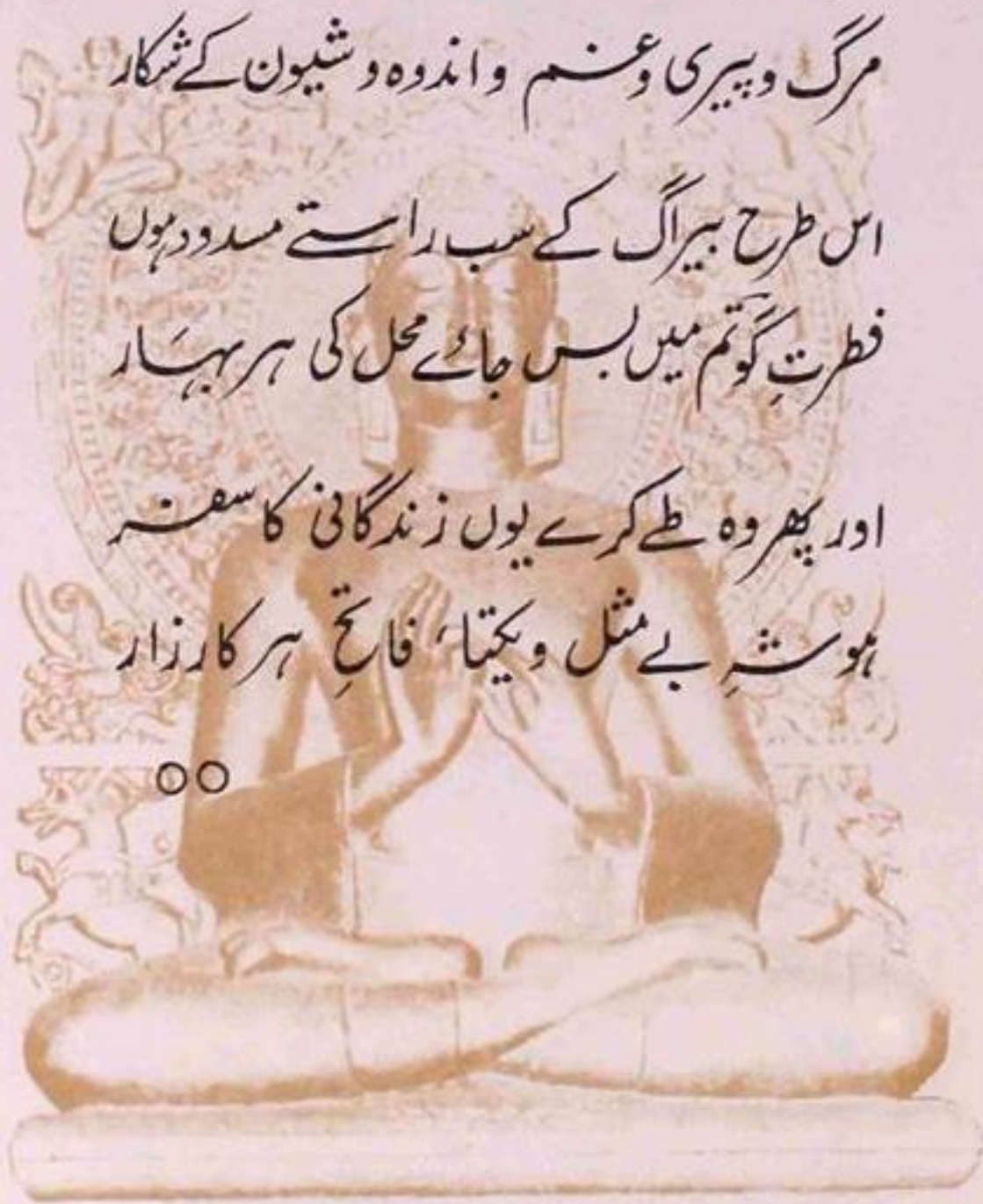
کُنجِ خلوت

ابر پارے جانبِ مغرب ہیں سرگرمِ سفر
مورنی شرما کے دوڑی مور کی جھنکار پر

شام کے دُھندلے مگر چت چور آنچل کے تلے
نونہالانِ چمن جھُومے ہوا کے ساز پر

دیو قامت برگدوں کی چھاؤں سے ہوتی ہوئی
ایک پگڈنڈی رواں، بورائی آمرائی جدھر

دو قدم پر سُرخ چندن کے گھنیرے کُنج میں
ایک شاہی باولی کی مُسکراتی مینڈ پر

اپنے گرد و پیش کے ہنستے ہوئے ماحول سے
فکر میں ڈوبا ہوا نو عُمر گوتم بے خبر

جانے کس غم میں پریشاں وہ دلِ معصوم ہے
جانے کس دکھ میں گہر افشاں ہوئی وہ چشمِ تر

جانے کیسی سوچ میں وہ ذہن ہے الجھا ہوا
جانے کیسے کرب میں بے چین روحِ معتبر

اور اسی عالم میں پونم نے بچھا دی چاندنی
شوخ کرنوں سے کنواری کو نیلیں سینہ سپر

خادموں کے ساتھ شدھودن محل کی سمت سے
ڈھونڈنے نکلے ہیں آخر ہے کہاں نورِ نظر

کیوں ہوئیں خدمت گزاروں سے یہ لاپروائیاں؟
قصر کی پابندیاں کیوں توڑ بیٹھا ہے کنور

ماہیِ بے آب کی صورت پریشاں ہو گئے
چیخ اٹھے ہے کہاں تو اے مرے لختِ جگر!

سن کے آوازِ محبت چونک کر گوتم اٹھے
اور یہ مژدہ سنایا "ہوں یہاں میرے پدر"

دوڑ کر بیٹے کو سینے سے لگایا شاہ نے
اور یوں گویا ہوئے سیمیں جبیں کو چوم کر

بول! میرے لال یہ چہرہ ہے کیوں اُترا ہوا؟
کُنجِ تنہائی میں کیوں بیٹھا ہے سب سے روٹھ کر

بشرۂ سِدھارتھ پر اک تھرتھراہٹ سی ہوئی
چشمہائے ناز سے گرنے لگے تازہ گہُر

چاہ کر بھی مہر بر لب شاہزادہ رہ گیا
راز افشا کر دیے اس خامُشی نے شاہ پر

خوفِ دیرینہ سے ان کے ذہن پر سایہ فگن
سوچ کے ظالم شکنجوں میں ہیں سارے بال و پر

آہ! یہ پریوں کے جھرمٹ، یہ محل، یہ صوت و رنگ
یہ حسیں ماحول، یہ رنگینیاں، یہ بام و دَر

یہ گہُر افشاں نظارے، یہ جہانِ دلکشی
یہ طلسمی عیش گہ، یہ نقرئی شام و سحر

یہ شباب افروز ساماں، خوشبوؤں کے یہ چمن
سب کے سب میرے خدا لگ جائینگے کیا داؤں پر؟

ایک ٹھنڈی آہ کھینچی دیکھ کر سوئے فلک
چل دیئے گوتم کو لے کر سمتِ قصرِ حسن و زر

ہے تجسس میں ہوا، مشتاق مہتابی کرن
فکر میں ہر اک روش، حیرت میں نخل و برگ و بر

آ کے اک زرپاش مسند پر وہ بیٹھے اس طرح
جیسے دو سورج ابھر آئیں بہ ہنگامِ سحر

اور ان کو ہر طرف سے ابر ہوں گھیرے ہوئے
آندھیاں کوشش میں ہوں کر دیں انھیں زیر و زبر

نرم لہجے میں بڑی دل بستگی سے باپ نے
مسکرا کر یوں کہا بیٹے سے، "اے جانِ پدر!

فکرِ بے جا میں گھلانا خود کو یوں اچھا نہیں
راحتوں کی وادیوں سے یوں نہ افسردہ گزر

ایک اک پل ہے یہاں انمول ہیروں کی طرح
جو ہوا ان کو نہ اب تو اس طرح برباد کر"

اپنی دھن میں مست برساتی ندی کیا دھیان دے؛
بانسری کی مدبھری من موہنی آواز پر

شاہ کی ناراض نظریں مسکرا کر رہ گئیں
چپ ہوئے، اور پھر سے بولے لفظ اک اک تول کر

"میری خواہش ہے سدا تو مسکراتا ہی رہے
رات ہو چاندی سی، سونے سا ہو دن کا ہر پہر

تیرا چہرہ تک رہے ہیں ہر گھڑی سب خاص و عام
کچھ نہیں تو اپنے بوڑھے باپ پر ہی رحم کر

قصر سے جاتا ہوں میں اُمید لے کر بس یہی
کل ترے چہرے پہ دیکھوں گا جمالِ صبح گر"

شاہ کے اُٹھنے پہ گوتم ان کے قدموں پر جھکے
دستِ شفقت پھیر کر بیٹے پہ خوش ہے دیدہ ور

کچھ پلوں کے بعد باہر چاندنی کے کھیت میں
آ کے شدّھودن رُکے ہر سمت ڈالی اک نظر

بال کھولے رات کی دیوی تبسّم ریز تھی
جیسے کہتی ہو کہ شاہا ایک کوشش اور کر

خانۂ دل کے دریچوں میں جھماکا سا ہوا
تیز قدموں سے چلے رانی کا مسکن تھا جدھر

اک پری وش نے کہا رانی سے جاکر مرحبا
آرہے ہیں آپ سے ملنے بشر والا گہر

خانۂ عنبر فشاں میں ایک ہلچل سی ہوئی
سب کنیزیں دست بستہ ہیں کھڑی ہر گام پر

بے نیازانہ بڑھے عجلت میں رانی تھی جہاں
عالم حیرت میں ہے ملکہ انھیں یوں دیکھ کر

تاج کج ہے گیسوؤں کی سب لٹیں اُلجھی ہوئی
رُخ ہے یا دست و گریباں ہو گئیں شام و سحر

ہیں کنول بے نین درد و کرب کی آماجگاہ!
زر فشاں ملبوس کی ترتیب ہے زیر و زبر

بازوؤں کی سُرخ پوشش بھی ہے مُرجھائی ہوئی
ہار اور کُنڈل کی شوبھا آتی ہے دُھندلی نظر

پھر بھی رانی نے بٹھایا مُسکرا کر شاہ کو
اور اک مشروبِ جاں افزا پلایا بھان کر

باندیوں سے تخلیہ کہہ کر بہ حُسنِ اہتمام
شاہ کے قدموں پہ آکر بچھ گئی رشکِ قمر

یعنی وہ پرجاوتی سِدھارتھ کی خالہ اماں
یعنی وہ قلبِ مہاماؔیا کے غم کی چارہ گر

یعنی ہمشیرہ کے جائے کے لئے ہر ایک پل
وقف کر کے مسکرائی ہے بہ اندازِ سحر

یوں ہوئی گویا "مرے سرتاج آخر کیا ہوا
جاگتی آنکھوں میں بجھتی شام کیوں آئی اُتر؟"

شاہ نے بکھرے ہوئے لہجے میں رُک رُک کر کہا
"اپنے گوتم پر ہیں راگ و رنگ سارے بے اثر"

اور پھر تفصیل سے رُوداد رکھ دی سامنے
سُن کے رانی نے کہا "اے تاجدارِ دادگر!

آپ میرے لال کے بارے میں کچھ مت سوچیے
ہر طرح سے ہوں میں اس کی عادتوں سے باخبر"

اور پھر آواز دی "رَمبھا! کُمُدنی! چنچلا!
مادھوی! رجنی! سُگندھا! کُند! آؤ دوڑ کر"

اور بنات النعش کی مانند ساتوں ماہ وش
آگئیں اک ساتھ فخرِ وادیٔ برق و شرر

اک پیام آنکھوں میں، نظروں میں تکلّم کا سماں
جنبشِ ابرو میں لرزاں انگنت سے کرّ و فر

وہ گُلاب افشاں تبسُّم، سُرخ ہونٹوں کے فسوں
کنگنوں کے زمزموں میں آبشاروں کا نگر

وہ گھنیری کاکلیں وہ نقرئی پیشانیاں
دیکھ کر مژگاں کے تیور، دیوتا آئیں اُتر

مشک افشاں آنچلوں سے مہکی مہکی سی ہوا
لمس جن کا پا کے ساون کی گھٹائیں اوج پر

ریشمی ملبوس میں وہ سیم تن تھے جس طرح
چاندنی بلّور کے فانوس میں ہو جلوہ گر

ماہ طلعت، ماہ پیکر، ماہ صورت، ماہ رُو
کامیاب و کامران و شادمان و بے ضرر

ہر ادا میں اَن گنت آزر کدوں کا اہتمام
ہر بدن کے لوچ میں رقصاں فضائے حشر گر

شاہ سے رانی یہ بولی "آپ جا کر سو رہیں
دیکھ لیں یہ اپسرائیں ہیں بہت ہی کارگر"

شاہ ہو کر مطمئن آرام فرمانے گئے
اور رانی نے کہا ساتوں کی جانب گھوم کر

"اپنی جانب فطرتِ گوتم کو یوں مائل کرو
رنگ و نکہت جذب کرلیں اس کی ہر شام و سحر

اس طرح ہو جائے وہ پروردۂ رامش گری
ایک ہی مرکز پہ کھو جائے وہ ذہنِ بے خبر

جیت لے گی جو بھی گوتم کو اُجالوں کی قسم
پائے گی بے انتہا اسباب و قصر و مال و زر

اور خبر اس کامیابی کی جو دے گی مجھ کو، وہ
پائے گی ایسی ہی دولت اور شانِ تاجور"

سُن کے یہ مژدہ کہا ساتوں نے "اے ملکہ مری
لال پہ تیرے فدا یہ رنگ و حُسن و بال و پَر"

بزمِ لالہ رُخاں

اللہ اللہ وہ فروغِ حُسن کی ضوباریاں
سب کے سب خنداں! وہ محفل ہو کہ ہوں تنہائیاں

نُور و نکہت! رنگ و رامش! مسکراہٹ! قہقہے
کیف و سرمستی کی باہوں میں بچھی رنگینیاں

خود کنول کی پنکھڑی ہے آج بھونرے پر فدا
چاند کی کرنیں چکوری سے کریں اٹھکیلیاں

ابرِ نیساں ہے پپیہے پر نچھاور دم بہ دم
تتلیوں سے پھول کی شاخیں کرے ہیں شوخیاں

ایک لاوا سا ہر اک نس میں پگھلتا جائے ہے
مدھ بھرے پھاگن میں پُروائی کی یہ بے باکیاں

پھر مدن کی شوخ آنکھوں میں دھنک لہرا گئی
بان پھولوں کے ہر اک تن سے کریں سرگوشیاں

درد کے خفتہ جزیرے کسمسا کر جاگ اُٹھے
مینکا نے کھول دیں جادو بھری وہ انکھڑیاں

پتّے پتّے پر ہے اک لرزہ سا طاری ان دنوں
کون روکے آہ! یہ منھ زور خود سر آندھیاں

سبزۂ نورس پہ ہے سدّھارتھ یوں گلگشت میں
پیچھے پیچھے ہیں غزالوں کی سُہانی ٹولیاں

آگئیں ہم جولیاں سانوں اچانک اُس جگہ
نرم ہاتھوں میں لیے رنگوں بھری پچکاریاں

یعنی رمبھا جیسے بورایا ہوا سہجن کوئی
چال جیسے شال بن میں تیرتی پُروائیاں

وہ کمدنی، جیسے ہو کچنار کی بگیا کھلی
جس کے تلووں کے تلے اُلکا پوری کی جھانکیاں

چنچلا سیماب کی مانند لہراتی ہوئی
دُودھیا بادل میں جیسے رقص کرتی بجلیاں

مادھوی جیسے اَملتاسوں کی پھلواری سجی
بادلہ اوڑھے ہوئے پَل پَل بجائے تالیاں

اور بینا ہے کہ گندھریوں کی ہے کنیا کوئی
جس کی ہر اک سانس میں پنہاں ہزاروں مُرکیاں

وہ سُگندھا ہے کہ مشمومات کا بادل کوئی
جس کے دم سے بھینی بھینی ہیں گلُوں کی وادیاں

کُند ہے جوہی یہ جیسے چاندنی چٹکی ہوئی
یا کوئی بُت برف کا برسائے ہے چنگاریاں

گھیر کر ہر اک سہیلی العرض سدھارتھ کو
ہے کھڑی، جیسے کنہیا کے جلو میں گوپیاں

رفتہ رفتہ کھینچ کر اُن کو وہاں وہ لے گئیں
ہیں جہاں اک حوضِ بلوریں کی عشرت سازیاں

گرد جس کے دوب کی گوٹا کناری ہے لگی
جس کے دامن میں ہیں کیسر کی مہکتی کیاریاں

برگِ گُل شفّاف پانی میں ہیں رقصاں ہر طرف
خوشبوؤں کے بازوؤں میں بھاپ کی ہیں بدلیاں

پاس ہی اک مرمریں آرام گہہ آراستہ
جس کے ہر پہلو میں ہیں بکھری ہوئی رنگینیاں

چنچلا بھر کر طرارے موج سی لہرا گئی
یہ اشارہ پا کے گوتم پر چلیں پچکاریاں

غرق رنگوں میں ہوا یوں جسم ان کا جس طرح
سُرخ سُورج ہو ستر نگی دھنک کے درمیاں

اور اس پر وہ کھنکتے قہقہوں کی یورشیں
عشوہ و غمزہ کی وہ بے باک محشر خیزیاں

بھیگتے بازو، وہ چپکے پیرہن، رنگیں خطوط
دوڑتی، پھرتی، تھرکتی، کوندتی سی بجلیاں

دفعتاً گوتم کو لے کر حوض میں وہ گر گئیں
دُوریوں کی قید سے مفرور ہیں نزدیکیاں

وہ عبیروں میں سنے گدرائے پیکر جس طرح
دُھنکی دُھنکی صبح میں یاقوت کی ہوں پُتلیاں

یا شبِ مہ، برف کے اُجلے بدن سے پھُوٹ کر
بہہ رہی ہوں جیسے کُم کُم، رولیوں کی ندیاں

کرُدھنی نے ہے سنبھالا اک سہیلی کی طرح
دیکھ کر بکھری ہوئی ساڑی کی وہ لاچاریاں

قوتِ غیبی سے ہے مجبُور وہ بھولی نظر
پانی پانی ہو رہی ہیں دائمی بیزاریاں

دیکھ کر سینوں پہ وہ سونے کے مخروطی کلس
اُلجھی اُلجھی رہ گئیں گوتم کی پیاری انکھڑیاں

ذہن کہتا ہے کہ اس عشرت کدے سے دُور چل
اور دل میں تلملاتی ہیں کنواری شوخیاں

اشتعال آگیں فضا میں وہ دہکتا جل وہار
پانیوں میں ایک اگنی کنڈ کی انگڑائیاں

گیسوئے سِدھارتھ کی مشاطگی میں صرف ہیں
مادھوی کی ادھ پکے شہتوت جیسی انگلیاں

یک بہ یک اک زلزلہ سا آگیا پھر حوض میں
راکھ سے ہونے لگیں مغرور شعلہ باریاں

مادھوی کو بازوؤں میں بھر کے باہر آگئے
سوئی سوئی پیاس نے یوں کی ہیں صف آرائیاں

پاس کی آرام گہہ میں دوڑ کر وہ کھو گئے
اُڑ گیا بھولا پرندہ توڑ کر سب تیلیاں

وہ بھٹکتی سی ہوائیں وہ سسکتے سے چراغ
کانپتے سے دست و پا بپھری ہوئی سی آندھیاں

گر گئیں ساری فصیلیں، منہدم ہیں سب حصار
بندشوں میں ہے تڑپتا سا جہانِ برنیاں

پھول سے قوسین، شمشیروں کی صورت ہو گئے
نرم و نازک کونپلوں نے بھی لگائیں برچھیاں

گنگنا اٹھا ہے شریانوں کا آشفتہ لہو
ٹوٹ کر برسی ہیں امرت کی سُہانی بدلیاں

چنچلا نے حوض سے اک جست لی باہر گری
جسم سے گرتے ہوئے قطروں نے کی زرکاریاں

چوکڑی بھرتی ہوئی معصوم ہرنی کی طرح
کھو گئی چھتنار پیڑوں کی صفوں کے درمیاں

گھنگھروؤں کے بول، بھیگے جسم کے تیکھے نقوش
ذرّے ذرّے پر لٹاتے ہیں عجب رنگینیاں

چہرہ نم دیکھ کر، بھونرے اُڑے، یہ سوچ کر
لوٹ لیں بھیگے کنول کی شبنمی شادابیاں

ہنس رہا تھا سامنے رانی کا وہ رنگیں محل
منتظر تھیں ماننا کی جس میں سب نیرنگیاں

دوڑ کر رانی کی خلوت گاہ میں وہ آ گئی
رو کتی ہی رہ گئیں بھر کی ساری باندیاں

اتفاقاً شاہ اور ملکہ وہیں موجود تھے
منجمد سی ہو گئی ہیں چنچلا کی شوخیاں

سامنے راجہ کے خوش خبری سنائے کس طرح
چہرۂ معصوم پر الجھن کی ہیں پرچھائیاں

وہ تنفس تیز، وہ سینے کے دل کش زیر و بم
وہ جبیں پر ہیں پسینے کی چھلکتی دھاریاں

شرم سے بوجھل نگاہیں جم گئی ہیں فرش پر
قفل ہونٹوں پر لگے، معدوم ہیں بے باکیاں

"چنچلا! کیا بات ہے کیوں سانس ہے الجھی ہوئی؟
یہ خموشی کیوں؟ کہاں ہیں تیری گل افشانیاں؟"

پیار میں ڈوبے ہوئے رانی کے استفسار پر
چنچلا کے ذہن میں بجنے لگی ہیں گھنٹیاں

عود کر آئی بشاشت چہرۂ گل رنگ پر
لوٹ آئیں سارے خدّ و خال کی رعنائیاں

کچھ جھجک کر اور کچھ شرما کے یوں گویا ہوئی
کھل گئیں ویرانیوں میں موگرے کی ڈالیاں

"ہو مبارک آپ دونوں کو کہ بالک آپ کا
ہو گیا ہے مرد آخر مرحبا! خوش بختیاں"

جینچلا کے رس بھرے لفظوں نے جادو سا کیا
لہلہا اُٹھیں اچانک بانجھ تھیں جو کھیتیاں

خطّۂ بے آب میں پھولوں کے تختے کھل گئے
خامشی کے دشت میں بجنے لگیں شہنائیاں

شاہ و ملکہ کی رگوں میں گنگناہٹ سی ہوئی
بانس کے جھرمٹ میں جیسے بج اٹھی ہوں بنسیاں

جینچلا کو چوم کر رانی یہ فرمانے لگی،
"تم یہ سو جاں سے فدا امراؤتی کی دیویاں"

شاہ سے بولی پلٹ کر" جشن برپا کیجئے
میں نہ کہتی تھی کہ ہوں گی کامراں یہ لڑکیاں"

شاہ ہنس کر چل دیئے، رانی یہ بولی "چنچلا!
مجھ کو تفصیلاً بتا! کیسے لُٹیں بیزاریاں؟

سرنگوں کیسے ہوئی گوتم کی خود سربے حسی
موم کیسے ہو گئیں وہ پتھروں کی سختیاں؟

پارہ پارہ بے نیازی کا جہاں کیسے ہوا؟
کس طرح محفل سے پسپا ہو گئیں تنہائیاں"؟

رُوئے رنگیں پر شہابی تیر سے چھٹنے لگے
چنچلا کے لب ہلے گویا چھٹیں مہتابیاں

سارے پردے اُٹھ گئے از ابتدا تا انتہا
ہیں رُخِ ملکہ پہ فخر و ناز کی ارزانیاں

پھر دیا یہ حکم " فوراً پالکی تیار ہو
میں کروں گی مادھوی پر آج گوہر پاشیاں"

پھول کے گجروں سے ہے آراستہ وہ پالکی
جس پہ ہاتھی دانت کی خنداں ہیں پچیکاریاں

ہیں کہاروں کی جگہ کچھ حوروش زریں کمر
ہر طرح تیار، انگوں میں تڑپتی بجلیاں

پالکی میں بیٹھ کر رانی بہ جاہ و طمطراق
چنچلا کے ساتھ چل دی تھیں جدھر مدہوشیاں

ہر طرف ڈھلتے ہوئے سورج کی پیلی دھوپ تھی
جس کے ہاتھوں میں گلوں کی نیم جاں تھیں پتیاں

مادھوی آرام گہہ میں سو رہی تھی بے خبر
اور اس پر کر رہی تھیں مور چھل تنہائیاں

پاس احساسِ ندامت سے کنور روپوش تھا
نشۂ فتحِ مبیں میں چور تھیں شادیاں

مادھوی کے آتشیں عارض پہ رانی جھک گئی
اور اس کی زلف پر رکھ دیں حنائی انگلیاں

ایک شیریں لمس سے گل گوں پپوٹے کھل گئے
ہڑبڑا کر اٹھ پڑیں بے ربط سی رنگینیاں

وہ حیا کے بوجھ سے جھکتا ہوا پیکر حسیں
قربِ نو کی حس پہ لرزاں تھیں ابھی پرچھائیاں

زلف بے ترتیب، کاجل کے فسوں سوئے ہوئے
زاویوں کی سرحدوں میں جھومتی اٹھکیلیاں

عارضوں پر دوھ مہے احساس کی رنگیں شفق
ڈھلکے ڈھلکے بازوؤں میں کانپتی سی برچھیاں

دیکھ کر محشر بداماں منظروں کی یورشیں
خشک ہونٹوں میں سمٹ کر رہ گئیں گویائیاں

آخرش خود کو مہارانی نے کر کے مجتمع
توڑ ڈالیں مسکرا کر برف سی خاموشیاں

"مادھوی! میں تجھ پہ قرباں، تیرے دم سے آج پھر
لوٹ آئی ہیں محل میں ہر طرف شادابیاں

تیری خدمت کا بدل کوئی نہیں ممکن مگر
تجھ پہ کر دوں گی نچھاور مال و زر کی کشتیاں"

ماَدھوی بادیدۂ نم اس طرح کہنے لگی
اُس کے ہر اک لفظ پر صدقے سخن آرائیاں

"اپنا سب کچھ میں نے شہزادے پہ قرباں کر دیا
اس کی قیمت تو نہیں دولت کی یہ شہنائیاں

بس خدا رکھے کنور کو ہر طرح سے شادماں
ان سے کوسوں دُور ہوں رنج و الم کی بدلیاں"

ہچکیاں لے کر وہ دَوڑی اپنے مسکن کی طرف
ہاتھ ملتی رہ گئیں رانی کی اشک افشانیاں

○○

سوئمبر

آبلے تلوؤں کے دادِ تشنہ کامی پا گئے
دامنِ صحرا میں ہر اک سمت ہیں ٹیسو کھلے

ذہن کی سب کاوشیں بازو بُریدہ ہیں مگر
چھا گئے ہیں آسمانوں پر دِلوں کے وَلولے

مصلحت ہے سر برہنہ بیت جھڑوں کے درمیاں
حق شناسی کے سمَن ہر سُو گُلالوں سے اُڑے

دامنِ عشرت میں ہیں لُو کے بگولے ہر طرف
نرم پلکوں سے خودی نے راہ کے کانٹے چُنے

ہیں تھکے ماندے، اُفق پر رات کے سب راہرو
صبحِ کاذب کی ہتھیلی پر جبیں ٹیکے ہوئے

رات گوتم کی مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹی
آگ کے دریا میں تھے سب بال و پر ڈوبے ہوئے

تھی ہر اک جانب خراماں سرخیِ آتش فشاں
جانے کن سرگوشیوں پر تختِ زرّیں سے اُٹھے

سارسوں کی ٹیر پر گُل کی رگیں تھرّا گئیں
اور چکوترے کی صدا پر اشکِ شبنم گر پڑے

دُور الغوزے پہ پیلو راگ تھا بکھرا ہوا
سُن کے جس کو دیدۂ گوتم چھلکنے سے لگے

جھیل سے ہوتی ہوئی پر پیچ سی اک نم روش
جس کے آگے تھے پکی جھربیریوں کے سلسلے

اُن سے آگے جانبِ مشرق پڑی تھی اک چٹان
جس پہ گوتم بیٹھ کر اشکوں سے منھ دھونے لگے

تھی اُدھر بے چین بادِ صبح گاہی کی لہک
قصر میں خالی چھپر کھٹ تھا، کواڑے تھے کھلے

روز کا معمول تھا آئیں جگانے باندیاں
دُور سے در دیکھ کر وا، اُن پہ پربت آگرے

دوڑ کر دیکھا تو کمرہ اس طرح ویران تھا
جیسے پونم کے حسیں جلوے ہوں گہنائے ہوئے

مضطرب ہو کر لگیں وہ ڈھونڈنے سدھارتھ کو
المدد! اے میرے خدا! آخر کنور جی کیا ہوئے؟

یوں تلاش و جستجو میں سب پریدہ رنگ تھیں
جیسے ٹوٹی جھونپڑی میں ٹمٹماتے ہوں دیئے

ایک دَوڑی باغ کی جانب تو اک سوئے چمن
ایک سبزے کی طرف، اک پاس دوڑی جھیل کے

سبز نالیں تھیں کنول کی، پانیوں میں جس طرح
سانوری کوئی کھڑی ہو، گاگری سر پر دھرے

رُک گئی باندی جہاں نغمہ سرا تھا آبشار
دُور سے دیکھے رُخِ نیّر پہ لکے ابر کے

تاج پہلو میں، گھنیری زُلف تھی بکھری ہوئی
دیدۂ پُرنم خلا سے داستاں کہتے ہوئے

منتشر سانسیں، مہکتی وادیوں میں ڈھل گئیں
جیسے محلس میں اُتر آئیں چمن کے قافلے

لوٹ آئی خادمہ، سب حال سکھیوں سے کہا
کیا کریں؟ باہم یہی کرنے لگیں پھر مشورے

آخرش یہ طے ہوا رانی کو کردیں باخبر
یوں بہ ہنگامِ طرب غافل نہ ہوں سدّھارتھ سے

جا کے رانی کو سُنایا آج کا سب واقعہ
سُن کے ان پر حیرتوں کے شامیانے تن گئے

اللہ اللہ ظرفِ ملکہ! وہ تحمّل کا سماں
ایک پل میں رنج کے ابرِ سیہ آ کے گئے

پاپیادہ ماممتا دوڑی چلی آئی، جہاں
آبدیدہ رتجگے تھے صبح کے آنچل تلے

سر خمیدہ ماں کے قدموں میں کنور ہے جس طرح
ابر ہوں کیلاش پربت کی ڈھلانوں پر جھکے

آنکھ کے دونوں کٹوروں میں گھلی تھیں سرخیاں
روئے پژمردہ پہ غم، شرمندگی آمیز تھے

ماں کہ فطرت آشنا تھی ہونٹ سی کر رہ گئی
مسکرا کر ان کی پیشانی کے بوسے لے لیے

اپنے ہاتھوں تاج خود بیٹے کے سر پر رکھ دیا
اور پھر گیسوئے پُرخم کو سنوارا پیار سے

ہاتھ شانوں پر لپیٹ کے، تھی نظر سوئے فلک
دور پگڈنڈی پہ بنجاروں کے برہے دکھ بھرے

لوٹ آئی قصر میں، کی دلدہی سدھارتھ کی
شفقتوں کی دھوپ میں ہنسنے لگے کچے گھڑے

ہو کے رانی مطمئن اپنے محل میں آ گئی
یہ خبر راجہ کو بھجوائی کہ فوراً آیئے

تھے پُروہت سے وہ محوِ گفتگو، پاکر پیام
آ گئے راجہ سوالوں کی ردا اوڑھے ہوئے

سُن کے احوالِ پسر، دل پارہ پارہ ہو گیا
پھُولتی سرسوں پہ جیسے دفعتاً اولے گرے

آم کے بَوروں کو جیسے آندھیاں جھکجھور دیں
بادباں، جیسے مخالف سمت کشتی موڑ دے

قہقہوں کے ساتھ رانی نے کہا "حد ہو گئی!
اک ذرا سی بات پر غم! آپ تو اچھے رہے

ہے ابھی بچہ کنور، بچپن کا شرمیلا ہے وہ
جو ہُوا کل، بس اُسی کی ہے پشیمانی اُسے

ہاں مگر اس طور بہلانا اسے اچھا نہیں
بس اسی نکتے پہ کرنے تھے مجھے کچھ مشورے"

شہ کو رانی کی فراست پر بڑا ہی ناز تھا
ہنس کے بولے "آپ نے سوچا ہے جو بتلایئے"

اُب بھی لازم ہے شادی کیجیے سِدھارتھ کی
منتخب کر لے دُلہن وہ خود، سوئمبر کیجیے"

لفظ رانی کے دلِ شہ میں مثالِ فصلِ گُل
چار سو برسا گئے ہیں ابرِ رنگ و نُور کے

دُھول جو ہر ایک جانب تھی زرِ گُل بن گئی
تُند جھونکوں نے ہوا کے، ہار گوندھے پھُول کے

ہو گئیں ویرانیاں، حلقہ بگوشانِ چمن
ہو کے عالم میں بہاروں نے کئے ہیں چہچہے!

اور کپل وستو کے گھر آنگن، گلی کوچے سبھی
پرچموں، رنگوں، اُمنگوں، ولولوں سے بھر گئے

خوش لباس و خوش ادا ہیں طفل و زن، پیر و جواں
شہر میں ہر سمت منگل گیت ہیں بکھرے ہوئے

ہیں ہر اک در پر دھرے ہنستے ہوئے منگل کلش
شاہرہ پر جا بہ جا در، سبز کیلوں کے بنے

ہار ہیں لپٹے ہوئے گیندے کے جن سے مو بہ مو
بازوؤں پر جن کے ہیں پیلے پھریرے اُڑ رہے

ہنس رہے ہودے طلائی زرفشاں جھولیں سبھی
ہاتھیوں، گھوڑوں، رتھوں پر میہمانوں کے پرے

آرزو گوتم کی لے کر ہو گئے ہیں خیمہ زن
دُخترانِ راجگاں کے برق افشاں قافلے

وہ سوئمبر کا ہے منڈپ نکہتوں کا سائباں
باغِ جنّت سے ہوا آ کر جسے پنکھا جھلے

ہر طرح آراستہ جاروب کش خوشیاں جہاں
دیوتا اپنی جبینوں پر جسے رکھے ہوئے

شبھ گھڑی اور شبھ مہورت میں کنور آئے وہاں
ضوفشاں، گُل بار سنگھاسن پہ بٹھلائے گئے

روئے انور پر شکوہِ صبحِ روشن ہے نثار
عارضوں کے سامنے خورشید و مہ بجھتے ہوئے

گردنِ گوہر فشاں، ناقوس کی مانند ہے
تابشِ دنداں نے تاروں کے بدن چمکا دیئے

چشم کے آگے کنول کی دل کشی ہے سرنگوں
موہنی چِتوَن سے سب مغرور ہیں سہمے ہوئے

وہ خمِ ابرو، مدن کی ہے کماں جس پر فدا
لوحِ پیشانی پہ قشقے کے شہابی ولولے

تاجِ زرّیں سر پہ، کانوں میں عیاں کُنڈل حسیں
گیسوئے پیچاں، کہ بھونروں کے لپکتے قافلے

لعل کے کنٹھے ہیں، سینے پر ہے بن مالا پڑی
شیر سی گردن میں ہیں زُنّار کے جلوے ٹنگے

ہیں بہت مضبوط شانے اور باہیں ہیں دراز
جل رہے ہیں زرد جامے سے بسنتوں کے دیئے

وہ سراپا زیب و ناز و تمکنت کا گلستاں
دیکھ کر شاداں و فرحاں ہیں سبھی چھوٹے بڑے

اک اشارے پر پُروہت کے بجیں شہنائیاں
ایک اک زہرہ جبیں آئی کنور کے سامنے

باری باری ان کو گوتم دیکھتے جاتے ہیں اور
ہیں جو منجوشا میں تحفے ان کو دیتے جاتے ہیں

آخرش یشُودھرا خود اپنے آپ سے جھجکتی ہوئی
سر جھکا کر ہے کھڑی گم ہوش ہیں سدھارتھ کے

فرق پُر ناز لعل و گوہر سے فریبِ کہکشاں
داس وچپ میں کاکلیں ہیں یا اماوس کے پرے

وہ جبیں، گویا سحر گنگا نہا کر آ گئی
کان کی لَو میں ہیں آویزے طلائی ہنس کے

عارضوں پر لعلِ رُمانی کی زیبائی نثار
ابروؤں سے سرنگوں قوسِ قزح کے طائفے

اُن گھنی پلکوں میں رقصاں حشر ساماں زیر و بم
روز و شب ہیں جن کی آغوشوں میں جڑواں کھیل کے

وہ لبِ لعلیں کہ مونگے کے جزیروں کی پھبن
جن سے بر فیلی فضا میں ہیں شرارے اُٹھ رہے

وہ صفِ دنداں کہ دانے ہیں اناروں کے، گہر
جن کی اُن بجلی بَرَن زیبائشوں پر جان دے

اُن گلے کی ڈوریوں سے کہکشائیں ہیں خجل
کسب کرتے ہیں ضیاء جن سے اُجالے صبح کے

کانپتے زرگوں سبو چوں میں تلاطم خیمہ زن
جن کی زد میں ڈوبتے، اُٹھتے سفینے قلب کے

جگمگاتے پہلوؤں سے نُور سا چھنتا ہوا
جیسے گجرے ہوں جن میں تیرتے، ایسا لگے

اور وہ پُر نور باہیں جیسے زنجیرِ اجل
جیسے کچے دُودھ کے جھرنے سے ہوں گرتے ہوئے

جن کے گھیروں میں کنواری عیش گاہیں رقص میں
جن کو چھو کر چاندنی اپنے دوپٹے بھی بُنے

ہے سرِ ناخن، حنائے بے زباں زینت فشار
جیسے ہوں تازہ زبوری پر شفق گوں حاشیے

ناف کی گرداب جس میں غوطہ زن ہیں عشرتیں
اور ناقوس و صدف کے پھر درخشاں سلسلے

ساقِ بلّوریں میں ہے محبوس، بادِ تُند و تیز
جس کے تیور، پاک راہبوں کی طرف بڑھتے ہوئے

سر سے پا تک چترِ سیمابی ہیں رخشاں انگنت
ہر بنِ مو چاند کے ہالے لپکتے کوندتے

الغرض یہ ساری تشبیہات یکسر دُھول ہیں
حُسنِ گویا کے فروزاں زاویوں کے سامنے

بے تکلّم آنکھ ہے اور بے بصارت ہے زباں
پھر بھلا اوصاف ہوں کیسے بیاں اس حُسن کے

دم بہ خود آنکھیں کھُلی ہی رہ گئیں سِدّھارتھ کی
اپنے کنٹھے اٹھ کے تمبا کو وہیں پہنا دیئے

آسماں سے پھول برسانے لگے ہیں دیوتا
دس دِشاؤں میں اچانک شادیانے بج اُٹھے

چشمِ شہ فرطِ مسرّت سے ہوئی نم ناک یوں
ہوں گُلِ رنگیں پہ جیسے جھلملاتے بادلے

رُوحِ ملکہ میں اُتر آئے سُرور و انبساط
نعرۂ تحسین سب ہونٹوں پہ ہیں مچلے ہوئے

پھر پُروہت کی بھرے منڈپ میں گونجی یہ صدا
اب جواں مردی کے سب جوہر کنور دکھلائیں گے

گُرز زن، شمشیر زن، پیکان زن تیّار ہیں
آرزو و شوق کی چہروں پہ گلگونہ مَلے

پھر کنور مشّاق ہاتھوں میں لئے سیفِ دودم
ہر مُبارِز کی شجاعت پر پلوں میں چھا گئے

نیزہ زَن اور گُرز زَن بھی ہو گئے ہیں پائمال
داد اُن کے فنِّ حرب و ضرب کی دیتے ہوئے

پھر بھی شہزادے کے رُخ پر اک سکوں ہے موجزن
نصرتوں کے شہر سے ہیں دُور سائے کبر کے

تیر اندازی، بہ شکلِ امتحانِ آخریں
آگئی فتحِ مبیں لے کر کنور کے سامنے

ہے کماں ذقنِ ببر کی تیر ہے آتش نواز
لے کے ہاتھوں میں انھیں گوتم سُوئے میداں بڑھے

پھر ہدف کو تاک کر ڈوری کماں کی چھوڑ دی
تیر کے تیور نشانے کی جبیں میں کھو گئے

ہر طرف سے یہ صدا گونجی مبارک، مرحبا!
فیضِ قدرت کی رداؤں میں کنور پھولے پھلے

اور پھر ہاتھوں میں جے مالا لئے بمبا بڑھی
کہکشاں کا ہار جیسے ہاتھ میں ہو چاند کے

ہر قدم برقِ یمانی کے سحابوں کی دلیل
ٹکٹکی باندھے جنھیں چرخ و زمیں ہیں تک رہے

ہر طرف ہے خامشی، چھایا ہوا ہے اک سکوت
دھڑکنوں کے ساز، نظروں کی جلو میں ہو لیے

رینگتی سی چال میں سدھارتھ کے آگے رُکی
جیسے دریا رُک گیا ہو پربتوں کے سامنے

گردنِ گوتم میں جے مالا بڑھا کر ڈال دی
خود کو اپنے بازوؤں کی چھاؤں میں لیتے ہوئے

یک بیک بجنے لگے ہیں شادیانے ہر طرف
پھول کے دونے سبھی خوش ہو کے برسانے لگے

ناچ اُٹھیں اپسرائیں، گا اُٹھے گندھرب ہیں
جھانجھ، بھیری، شنکھ، شہنائی ڈھل بجنے لگے

تمنا اُٹھی حیا کے بوجھ سے بوجھل جبیں
آخرش گوپا نے جُھک کر پاؤں گوتم کے چھوئے

اور برُوہت، شاہ و ملکہ سب بزرگ و حاضرین
ہوگئے مسرور دونوں کو دُعا دینے لگے

مادھوی اک گوشے میں چُپ چاپ تھی بیٹھی ہوئی
آنسوؤں کی شکل میں سارے مناظر بہہ گئے

پھر خموشی سے اُٹھی مسکن میں اپنے آ گئی
درد کے دریا میں رقصاں تھے تحمّل کے دیے

ایک ڈالی میں سجا کر کیوڑے کی بالیاں
قصر میں ہمبا سے ملنے آ گئی ہنستے ہوئے

بے بہا تحفے دُلہن کو مل رہے تھے دم بہ دم
چہرۂ ہمبا پہ خوشیوں کے نظارے تھے کھِلے

مادھوی کو گوتمی نے دُور ہی سے دیکھ کر
دل کے سارے وسوسے مشکل سے قابو میں کیے

مال و زر سے ماورا اس کی انوکھی نذر پر
قلبِ ہمبا میں ستارے جگمگانے سے لگے

بن گئی ہے وہ نگاہِ اوّلیں ربطِ حسیں
درمیاں دونوں حسینوں کے مٹے سب فاصلے

راز دار و ہم جلیس و ہم خیال و ہم زباں
چند لمحے آخرش بندھن ہوئے اک عمر کے

اور پھر اک بار ملکہ کو پشیمانی ہوئی!
سارے اندیشے مٹے ہیں مادھوی کے ظرف سے
اِک طرف ایثار کی پھیلی ہوئی ہے چاندنی
دوسری جانب ہیں خوش بختی بھرے منظر سبھی
اک طرف پنہاں محبت کی حسین نیرنگیاں
دوسری جانب درخشاں وصل کے سب سلسلے
ایک جوگن، ہجر میں دھونی رمائے مطمئن
اک دُلہن شاداں ہے دل میں انگنت ارماں لئے

○○

سیرگاہ

راس آئے رُوح فرسا منظروں کے سلسلے

اور آشفتہ مزاجوں کو بھلا کیا چاہیے؟

نیم شب میں نالۂ دلدوز کی وہ سرخوشی

آہ! ہنگامِ سحر! وجد آفریں وہ مرحلے

جستجو سے پُر، خلا پیما نظر کا ہے مزاج

سالِ بھی چیر کر حسنِ حقیقت وا کرے

گو دے آتش فشاں کے وہ بہائے ندیاں

اور یخ بستہ ہواؤں میں شرر پیدا کرے

سادہ ورقوں پر کرے ہے نقشِ بوُقلمونیاں
اور نواحِ دشت بھی جس سے سوادِ گُل بنے

خود فریبی میں اُسے آئے نہ جانے کیوں مزہ
حلقۂ زنجیر بھی گیسوُئے جاناں نہ لگے

قُربتِ بِمبا بڑی مسحور کُن ثابت ہوئی
ہیں بڑے مبہوت پانسے گردشِ پرکار کے

اور پھر اک روز گوتمؔ، بن گئے ہیں باپ بھی
چاند سا بیٹا جسے خلقِ خدا راہُل کہے

قلبِ شُدّھودَن کو اَب کے ہو چلا محکم یقیں
اب نہیں شک اس میں اپنا خانداں پھُولے پھلے

پھر بنامِ شکرِ حق، شاہ نے عبادت کی بہت
مال و زر کے ڈھیر محتاجوں کو صدقے کر دیئے

جنگ کے آلات سے ترکِ تعلق کر لیا
جُستجوئے علم کی جانب وہ مائل ہو گئے

شوخیوں پر نفس کی سیفِ قناعت پھیر دی
باپ کی صورت رعیّت کے نگہباں بن گئے

لب پہ ہر دم یہ دعا ہے لاڈلا، جوگی نہ ہو ۔ !
کچھ بھی ہو لیکن وہ تاج و تخت کا وارث بنے

اور ادھر سدّھارتھ نے اک روز یہ مژدہ سنا
ایک بن میں ہیں بہاروں کے لہکتے سلسلے

جا بہ جا ہیں نرم پودے، عطر میں ڈوبی فضا
جن کی باہوں میں پرندے کر رہے ہیں چہچہے

پوکھروں میں حسنِ نیلوفر کی ہے جادوگری
ہیں ہرن کے غول اس جا چوکڑی بھرتے ہوئے

یہ خبر پاکر کنور کے دل میں بے چینی بڑھی
دیکھنے چاہے سہانے رنگ اس گلزار کے

گرچہ تھیں موجود یہ ساری بہاریں قصر میں
دل میں تھے اک طائرِ آزاد کے سب ولولے

قصر سے باہر نکلنا اس طرح ممکن نہ تھا
سامنے کاسہ بہ کف، اک باپ کے احکام تھے

خود محل میں جا کے شہ سے باادب کی التجا
آخرش مجبور ہو کر دی اجازت شاہ نے

شاہرہ سے سارے محتاج وضعیف وناتواں
گونگے، بہرے اور اندھے لوگ ہٹوائے گئے

تا نہ پیدا ہو کنور میں خواہشِ ترکِ جہاں
خوئے درویشی نہ اُس کے دل میں کروٹ لے سکے

حسبِ شہ، جب سج گئی وہ شاہراہِ درفشاں
دل کے طوفاں روک کر بولے کہ اے بیٹے مرے!

مت ٹھہرنا دیر تک ان فرحتوں کے درمیاں
لوٹ کر مجھ سے بتانا گُل کدے کیسے لگے؟

کی قدم بوسی کنور نے اپنے مشفق باپ کی
پھر سنہرے رتھ پہ چڑھ کر سوئے گلشن چل دیئے

کیتکی کے پھول شارہ پر بچھے تھے چار سُو
دونوں جانب ہار بیلے کے شمیم افروز تھے

کیف میں ڈوبی ہوا کرتی ہوئی اٹھکیلیاں
مختلف رنگوں کے پرچم تھے اڑانیں بھر رہے

شہریوں کی نیل گوں آنکھیں تھیں رتھ کی قید میں
سب کے دل تھے پائے گوتم پر تصدّق ہو رہے

تھا کوئی تابانیِ رُوئے منوّر پر فدا
اور تھے کچھ لوگ جو اُن کی متانت پر مٹے

کچھ تو قُرباں ہو گئے تھے پرکشش انداز پر
کچھ تھے عمرِ جاودانی کی دُعائیں دے رہے

جا رہا ہے شاہزادہ، جب حسینوں نے سُنا
دل میں حسرت رہ گئی جاگی، دیکھ لیں نزدیک سے

پوچھ کر اپنے بڑوں سے بام پر آنے لگیں
کچھ کے پلّو عین عجلت میں زمیں پر گر پڑے

کچھ تو بے پردہ اٹاری پر ہمکتی آگئیں
کچھ خمار آلود آنکھوں میں تھے اندیشے بھرے

سیڑھیوں پر مرمریں تلووں کی تھی رنگیں دھمک
کردھنی اور گھنگھروؤں کے بول تھے بکھرے ہوئے

جن کو سن کر ڈر گئے گھر کے پرندے پالتو
جا رہے تھے ٹہلتے باہم شتابوں کے پرے

خشمگیں انداز سے اک دوسرے کو دیکھ کر
طنز کے پیکاں بھی مارے سخت کلمے بھی کہے

کچھ کے قدموں سے الجھ کر رہ گیا بارِ شباب
بام کی آغوش میں پہونچیں مگر کچھ دیر سے

ایک جو کچھ تیز رو تھی ایک گوشے میں رکی
اپنے زیور دیکھ کر نظریں اٹھائیں سامنے

روزنوں میں کان کے کنڈل تھے لرزاں چار سو
چاند سے مکھڑے تجسس کی چمک اوڑھے ہوئے

دیکھ کر گوتم کو اک سرگوشیاں کرنے لگی
"حیف! اپنی ملک ہوتے یہ اُجالے کاش کے"

دوسری نے سرزنش کی اور بولی طنزیہ
"ہے تو یہ آسان، گویا سا نصیبہ گر ملے"

اور کنور نے نرم خو ان شہریوں کو دیکھ کر
بھر لیا سب کا تبسم وسعتوں میں قلب کے

باوجود اس کے کہ تھے سب احتیاطوں کے حصار
ایک بوڑھا آدمی دیکھا کنور نے سامنے

یہ نیا منظر نگاہوں کو دھوئیں پہنا گیا
سارتھی سے چونک کر وہ اس طرح کہنے لگے

"کون ہے یہ خم کمر؟ زورِ عصا پر گامزن
بال سن جیسے ہیں جس کے دست و پا ہیں کانپتے

ہے سراپا، بےبسی و ناتوانی کا جہاں
نقص ہے اِس میں کہ آیا ہے نرالے مُلک سے"

کانپتے لہجے میں، شہزادے کے استفسار پر
سارتھی نے دست بستہ عرض کی "آقا مرے!

یہ ضعیفی ہے، یہی ہے دشمنِ باغِ شباب
قہر ہے، اعضائے جسمانی کی قوت کے لیے

ہوش کے سب آبگینے توڑ دیتی ہے یہی
عیش کی ہر انجمن سے بغض رہتا ہے اسے

اِس کے دم سے ہوگئے ہیں مضمحل سارے قویٰ
ہیں اسی سے روز و شب بکھرے ہوئے اس مرد کے

یہ بھی بچّہ تھا، کبھی کلکاریوں میں تھا مگن
پھر جوانی میں لگائے محفلوں میں قہقہے

دھیرے دھیرے ضُعف نے اس پر کمندیں ڈال کر
سارے جوہر اس کے اپنے بازوؤں میں بھر لیے"

سُن کے یہ سب شاہزادے نے یہ پُوچھا دفعتاً
"کیا مجھے بھی پیش آئیں گے یہی سب مرحلے؟"

"زندہ جاوید ہوں آقا! مگر سچ ہے یہی
آپ کو بھی آخرش پیری کے چکھنے ہیں مزے"

سُن کے یہ آواز، دل میں ایک لرزہ سا ہوا
بادلوں کا شور سُن کر گائے جیسے ڈر اُٹھے

کھینچ کر اک سانس لمبی دیکھ کر سوئے ضعیف
ٹوٹتے لہجے میں گوتم اس طرح کہنے لگے

جب کہ پیری ہے کمالِ قوت و حُسن و ذکا
جانے کیوں سب لذّتِ دُنیا میں ہیں کھوئے ہوئے

گلستاں کی سیر کرنا بھی ہے کارِ بے ثمر
قصر میں واپس چلیں، دل میں اندھیرے ہیں اُگے"

رتھ محل کی سمت موڑا سارتھی نے، اور وہ
خانۂ خلوت میں اپنے آپ سے لڑنے لگے

بوجھ ہے سینے پہ، آنسو گر رہے ہیں، جس طرح
زورِ ناخن سے ہرے ڈنٹھل کا رس بہنے لگے

جب سکوں اِس طور بھی ان کو نہ مِل پایا تو پھر
شاہ کی لے کر اجازت شاہرہ پر آ گئے

اور کچھ لمحوں میں ان کو اک مریض آیا نظر
سارتھی سے یک بیک سدھارتھ یوں کہنے لگے

"کون ہے یہ زرد رُو محزون و لرزیدہ بدن
آنکھ میں ویرانیاں ہیں بال ہیں بکھرے ہوئے"

سارتھی کہنے لگا، "آقا! یہ ہے کوئی مریض
نیشِ بیماری نے اس کے عضو سارے ڈس لئے

دیکھئے نو عمر ہے پھر بھی نہ جانے کس طرح
اس کی رگ رگ میں علالت کے شرارے ہیں بھرے"

دیکھ کر بیمار کو گوتم ہوئے یوں ہم کلام
"یہ اکیلا ہے کہ اوروں کو بھی ایسے غم ہوئے"

سارتھی بولا کہ "آقا! یہ الم تو عام ہے
اس کو سہہ کر لوگ خوشیوں کی سحر ہیں دیکھتے"

سُن کے تعریفِ مرض، گم ہو گئے سارے حواس
جیٹھ کی لُو جس طرح سبزے کی رنگت لے اُڑے

سارتھی سے مضطرب ہو کر کہا "اے ہم نشیں!
کیوں بھلا اِن دردِ و غم کو لوگ ہیں بھولے ہوئے؟

آہ! یہ جہلِ بشر! خوفِ مرض سے بے خبر
ہم سبھی افسوس ہیں کس درجہ غفلت میں پڑے

آؤ واپس ہوں محل کی سمت دل مغموم ہے
ایسے عالم میں کوئی جا کر چمن میں کیا کرے"

اس طرح دوبارہ واپس دیکھ کر سدھارتھ کو
جاننا چاہا سبب بے چین ہو کر شاہ نے

ڈھک رہے تھے ابر کے ٹکڑے رُخِ خورشید کو
دُور ریتی پر سرابوں کے پرے تھے ہنس رہے

اک طرف ہرنی کے پیچھے باز تھا بپھرا ہوا
سامنے پیپل کے پتے تھے بہت سہمے ہوئے

وجہ سُن کر حاکمِ شہرہ کو بُلوایا وہیں
کی ملامت، پھر کہا، ہُشیار وہ اَب سے رہے

پھر نیا رتھ آگیا، وہ سارتھی بدلا گیا
شاہرہ کے چپّے چپّے غور سے دیکھے گئے

شُبھ لگن پر اذنِ شہ پا کر، کنور سوئے چمن
دل میں پھر اک اور تازہ جُستجو لے کر بڑھے

تھا مشیّت کو یہی منظور، دو پل بعد ہی
سامنے اَرتھی ملی سِدّھارتھ کو جاتے ہوئے

پھر ہوئے وہ سارتھی سے اس طرح محوِ سُخن
"کون ہے؟ جاتے ہیں جس کو لوگ کاندھے پر لئے

غم زدہ مجمع ہے جس کے پیچھے پیچھے جا رہا
جس میں کچھ خاموش ہیں، کچھ لوگ گریہ کر رہے"

سارتھی بولا "مرے آقا! یہ صیدِ مرگ ہے
بے وفائی کی ہے اِس سے وصفِ جانِ عقل نے

لوگ کل تک اپنی پلکوں پر بٹھاتے تھے مگر
آج مر جانے پہ جاتے ہیں جلانے کے لئے"

دُور سوکھے پیڑ پر اک چیل نالہ زن ہوئی
سارتھی سے وہ پریشانی میں یوں کہنے لگے

"صرف اس نے موت پائی یا کہ مرتے ہیں سبھی"
"سالے جاں داروں پہ آقا ابر چھٹتے موت کے"

اِس وضاحت کے شرارے ناگ پھنیوں کی طرح
اُن کے دل کی سب رگوں میں پاؤں پھیلانے لگے

ہاتھ پر رُخسار رکھ کر بجھتے لہجے میں کہا
موت ہے برحق، مگر سب ہیں بہت بے خوف سے

ہر بشر کو اک نہ اک دن وہ اُٹھا لے جائے گی
جانے کیوں اس بات کو سب لوگ ہیں بھولے ہوئے

سیر کو جانا عبث ہے سارتھی! واپس چلیں
جان کر ایسے حقائق شاد کیسے دل رہے؟"

حکمِ شدّھودن یہی تھا، سارتھی لوٹا نہیں
پدم کھنڈی بن کی جانب چل دیا وہ اس لئے
ہنس رہا تھا واں ہر اک تِل پر سُنہرا انگ راگ
جا بجا تھے چار سو ہرنوں کے نافے اُڑ رہے
خوش قبا تھے سب پرندے گا رہے تھے راگنی
نرم کرنوں کے حسیں جھالے برستے ناچتے
تھیں وہیں پر گل رُخوں کی کھلکھلاتی ٹولیاں
شہد گوں سینے تھے گویا عیش کے پیالے بھرے
ہاتھ ان کے یوں جُڑے گوتم کے استقبال میں
جیسے پنکھڑیاں کنول اپنی اچانک موند لے
اک پری وش کی نظر بھکی ہوئی تھی جس جگہ
بھالوؤں کے غول تھے موجود، مہوؤں کے تلے
گا رہی تھیں پھاگ جن پر شہد کی سب مکھّیاں
گر رہے تھے پھول مہوے کے رسیلے مد بھرے

اور اُدھر نخلیں حسُنِ مردانہ کے جلووں کی اسیر
مہ جبینیں، جن کے ملکِ حسُن میں تھے دبدبے
وہ مجسّم چشم بن کر دیکھتی ہی رہ گئیں
ہونٹ تھے مفلوج اور انکے گلے بھی تھے رُندھے

حال ان کا دیکھ کر آخر اُدائی نے کہا
وہ پروہت کے پسر تھے ہم سبق سدھارتھ کے
آپ سب تو نازشِ گلزارِ حسُن و عشق ہیں
آپ سے آئیں رشی کے پاؤں میں بھی زلزلے

دیوتا دیکھیں تو چھوڑیں اپسراؤں کا جہاں
کنڑیؔ گر دیکھ لے مجبوب ہو، آنکھیں ملے
اک دُلہن جیسی بھلا ہیں لاجونتی آپ کیوں؟ ٥
چھوڑیے شرم و حیا، مہماں کی خاطر کیجیے

بیاس جو گزرے زمانے میں تھے اک پرہیز گار
ان کو مارے پاؤں کاشی کی کسی شہناز نے

تھے رشی منتھال ڈھو کر لاش، اپنی اجرتیں
خوبرو جنگھا کو ہر دن پیار میں دیتے رہے

یاد کریئے مینکا نے قلبِ وشوامتر میں
رُوپ کے دیپک جلائے تھے بہت دن ہو گئے

ایسے ایسے زاہدوں پر حُسن جب غالب رہا
کیا بھلا سدھارتھ کے سُرخاب کے پر ہیں لگے

جب حقیقت ہے یہی تو آپ یہ کوشش کریں
تاج شہ کے خانداں کا یوں نہ واپس جا سکے

یوں تو ہم رُتبہ کو کر لے زیر کوئی بھی حسیں
ہے مزہ اپنے سے بہتر کو اگر وہ جیت لے

کام آئی ہے اُدائی کی یہ ناوک افگنی
مہ رخوں کے دل میں شعلے کروٹیں لینے لگے

تھیں کنیزوں کے شگوفوں پر تھرکتی تتلیاں
سامنے کی جھیل سے ہنسوں کے جوڑے اُڑ چلے

بانوانِ مست گوتم کی طرف مائل ہوئیں
ناز سے، شوخی سے، غمزہ سے، رُخِ طنّاز سے

ایک نے پیچھے سے آکر بازوؤں میں بھر لیا
بات کہنے کے بہانے ان کے بوسے لے لئے

ایک وانستہ گئی ان سے لپٹ ہنستی ہوئی
ایک نے سب رازِ دل آنکھوں ہی آنکھوں میں کہے

کر دھنی پر ہاتھ رکھ کر رقص وہ کرنے لگی
ایک نے ابھی اُٹھانوں کے صحیفے وا کئے

ایک جھُولی آم کی شاخیں پکڑ کر اس طرح
یَم بریَم ٹوٹے ستارے حُسنِ طوفاں خیز سے

ایک یوں کہنے لگی نیلے کنول کو سُونگھ کر
جانِ جاں! بورائے آموں کی طرف تو دیکھیے

اُڑ رہی ہے ہر طرف جن سے شمیمِ جانفزا
لڑکھڑانے سا لگا ہے سُونگھ کر موسم جسے

دیکھیے تو موگرے کی ڈالیوں کی دلکشی
گا رہے ہیں مست بھونرے جن پہ نغمے مدھ بھرے

آم کی ٹہنی سے لپٹا ہے تِلک کا پیڑ یوں
چاندنی، جیسے اماوس کو لگائے ہو گلے

دیکھیے تو شانِ خوباں جھیل میں چکوے سبھی
اپنی چکوی کے عقب میں مثلِ خادم کے چلے

دیکھیے اس سمت برگد کے گلابی برگِ نَو
دیکھ کر تلوے ہمارے کس طرح شرما گئے

دیکھیے تو ہر سنگھاروں سے ڈھکی وہ باولی
جیسے الھڑ کوئی چنری اوڑھ کر سونے لگے

قلبِ گوتم پر اِدھر ہے سوچ کی بدلی تنی
دل ہی دل میں خود کلامی اس طرح کرنے لگے

"کیا انھیں اپنی جوانی لگ رہی ہے لازوال؛
ایک دن آکر ضعیفی جذب کر لے گی جسے

اِن کی آنکھوں سے نہیں خوفِ علالت بھی عیاں
اِن کے چہرے ہیں کہ اطمینان کے عشرت کدے

مرگ و بیماری کے اندیشے انھیں ڈستے نہیں
عارضی خوشیوں پہ ان کے دل ہیں کیوں مچلے ہوئے؟

فکر میں ڈوبے ہوئے سدھارتھ کو یوں دیکھ کر
مخلص و مشفق اُدائی اس طرح گویا ہوئے

"میں تمھارا یار ہوں دل میں تمنا ہے یہی
ہر خوشی، ہر پل تمھارے پاؤں سہلاتی رہے

تم جواں ہو خوبصورت ہو، قوی ہو، مرد ہو
بے دلی کیوں ہے تمھیں اس مجمعِ گلفام سے؟

اِن پری چہروں سے یہ برتاؤ کچھ اچھا نہیں
ہاں! بڑی نرمی سے ان سے پیش آنا چاہیے

لاکھ رنجیدہ ہو تم لیکن مناسب ہے یہی
خوب رویوں کے دلوں کا پاس رکھنا چاہیے

ملتفت ہونا عناصر پر ہے فطرت کا نظام
کیوں تمہارے دل میں خیمہ زن ہوئے ہیں وسوسے؟"

جھڑکیاں سن کر اداسی کی لگے کہنے کنور!
جیسے تپتی ریت پر بارش کے ہوں قطرے گرے

"مرتبہ کیا ہے عناصر کا؟ مجھے معلوم ہے
حسنِ عالم تو بظاہر ہے انھیں کے فیض سے

پھر بھی ان کی عارضی فطرت سے میں رنجور ہوں
کس طرح میرے اداسی دل مرا ان میں لگے؟

دائمی ہوتے اگر یہ سیم تن اس دہر میں
محفلِ عنصر میں ہم بھی لعل و گوہر لوٹتے

ان جواں جسموں کی رنگت ضعف جب پی جائیگا
آخرش بیزار ہوں گے خود یہ اپنے آپ سے

حبِّ دنیا کی بنا لاعلمیوں کے دشت ہیں
جان کر یہ، کس طرح ان کو لگاؤں میں گلے؟"

صدق بیں، پُر زور اندازِ تخاطب کے سبب
شوخیوں کے رنگ اپنی انتہا میں کھو گئے

جھیل میں گھلنے لگا، گلنار سُورج کا لہو
آشیانوں کی طرف سارے پرندے اُڑ چلے

OO

ترکِ عظیم

کج کلاہی! پھر جہاں کو اک حسیں منظر دکھا
خاک سے صحرا نوردوں کی کوئی گلشن کھِلا

ہے پشیمانی بہت میری تباہی پر تجھے
تیرے ابرُو کی قسم! جو کچھ ہوا اچھا ہوا

ہر طرف پھیلا ہوا ہے، دشتِ بے آب وگیاہ
میرے تلووں کے پھپھولوں سے اسے رنگیں بنا

چاندنی دے دے ہر اک آنگن کو لیکن گھر مرا
ہاں! شبِ دیجور کے کالے گلابوں سے سجا

جاگتی آنکھوں نے دیکھے رازہائے کائنات
جذبِ دل کے واسطے اسرار کا روزن کھُلا

رات بھر شعلوں پہ گوتم کروٹیں لیتے رہے
آندھیاں تھیں انکھڑیوں میں دل میں اک طوفان تھا

ہر طرح دانا اُدائی بھی اُدھر تھا مضطرب
صبح ہوتے ہی کنور کی خواب گہہ میں آگیا

دیکھ کر گوتم کی حالت بھر گیے دل میں دھوئیں
پھر بھی میٹھی جھڑکیوں کے ساتھ وہ کہنے لگا

"قندلیں جھونکے ہوا کے ہیں تمہارے منتظر
تم یہ آخر کیسے بیٹھے ہو تمہیں کیا ہوگیا؟

نحس تھیں کل کی سبھی گھڑیاں تمہارے واسطے
آج بھی چھائی ہیں تم پر اس طرح سوچا نہ تھا

کل کی باتیں بھول جانے میں کوئی مشکل نہیں
کیا ارادہ ہے تمہارا جان لوں میں بھی ذرا؟

غم زدہ ہو تم مگر کیا حق پہونچتا ہے تمھیں؟
ایک تم سے شہر کا سب حسن ہے بکھرا ہوا

تم ذرا جلدی کرو، تیار ہو جاؤ ابھی
شاد ہو گے میں تمھیں ایسی جگہ لے جاؤں گا"

سن کے یہ کلمات گوتم اس طرح کہنے لگے
"ہم نشیں! تم کو بھلا احساس یہ کیوں کر ہوا؟

رنجِ گیتی شل کیے دیتا ہے میری رُوح کو
مجھ کو ذاتی غم نہیں کوئی اسے مت بھولنا

جن دکھوں سے ہے پریشاں عالمِ انسانیت
حل انھیں کا ہے مری بے چینیوں کا مدّعا

میری خوش بختی! کہ سب ہیں غم زدہ میرے لیے
پر انھیں کی عافیت کا ہے مجھے سودا ہوا"

مسکرا کر پھر اُدائی نے کہا "میرے رفیق!
ہے تمھارے جذبۂ صادق پہ قرباں دل مرا

پھر بھی جو انداز اپنایا ہے تم نے آج کل
متفق اس سے نہیں ہے میرا ذہنِ نارسا

یوں تو دُنیا کی بھلائی رام کو بھی تھی عزیز
کرشن کو بھی شادیٔ اہلِ جہاں کا پاس تھا

پھر بھی دُنیا سے اُنھیں بیزاریاں مطلق نہ تھیں
کون بھُولے گا انھوں نے کارنامہ جو کیا؟"

انکساری سے کہا سدھارتھ نے "تسلیم ہے
بالیقیں تھا مرتبہ ایسے بزرگوں کا بڑا

زندگی کی ہر ادا پر دسترس رکھتے تھے وہ
اور ان کے ہر قدم پر ہر نفس کو ناز تھا

اہلیت مجھ میں نہیں، ان کے مقابل جا سکوں
پاس ہے لیکن خود اپنی آگہی کا برملا

میں تمھارے ساتھ چل دوں؟ چاہتے ہو تم یہی
شرط ہے لیکن کہیں پر تم مجھے مت ٹوکنا"

ہنس کے یہ بولا اُداٸی "تم نہ سمجھاؤ مجھے
تم کو تو بچپن سے میں ہوں جانتا پہچانتا

یہ نہیں مقصود تم میرے اشاروں پر چلو
ہاں مگر پاؤں تمھیں ہر ایک پل ہنستا ہوا

تم نہ سمجھو گے، مجھے کیوں بے کلی ہے اسطرح
خود کو گردانوں گا مجرم، گر تمھیں کچھ ہو گیا

شدّتِ جذبات سے دونوں گلے مل کر ہنسے
بدلیاں چھٹتے ہی پونم کا ہنڈولہ سج گیا

پا کے اذنِ شاہ کنتھک پر ہوئے گوتم سوار
خادموں کو ساتھ میں لے کر اُدائی چل دیا

مشکیوں سے اُڑ رہی تھی دودھ کی سوندھی مہک
چھپّروں پر پھن کو پھیلائے دُھویں کا ناگ تھا

ریوڑوں کے ساتھ چرواہے بہت مسرور تھے
اُڑ رہے تھے گیت جاتے کے سُہانے جا بہ جا

دُوب پر گھسیارنوں کے ہاتھ تھے بکھرے ہوئے
دھوبنوں کی ہونک سے تالاب تھا چونکا ہوا

گوریوں کے تیز بانکے تھے چنے کے کھیت میں
کندنی جسموں سے تھا گلگوں پسینہ بہہ رہا

کولہوؤں کی چیخ تھی ماحول میں بکھری ہوئی
دُور امرائی کی جانب اک رہٹ تھا چل رہا

جا بجا تھے سُرخ پھل گولر کی شاخوں پر لیے
بندروں کا غول جن پر تھا کلانچیں بھر رہا

سامنے تھی دُور تک جنگل کی ہریالی کھڑی
گود میں جس کی پہونچ کر کارواں یہ کھو گیا

رُوح پرور تھی فضا، گوتم ہوئے کچھ پُرسکوں
آگے آگے تھا گھنیرے ساکھوؤں کا سلسلا

بے خودی میں تھے کنور اک سمت بڑھتے ہی رہے
اور پھر آخر میں کھیتوں کا علاقہ آگیا

دفعتاً اُن کی نگاہیں اک جگہ پر جم گئیں!
چل رہا تھا کھیت میں ہل جس جگہ دہقان کا

اس طرف گھوڑا بڑھایا غور سے دیکھی زمیں
جوتنے سے کھیت کا منظر بہت پُر ہول تھا

مر چکے تھے گھاس، کیڑے، دوب اور پودے سبھی
تھے تحیّر میں کنور، اُن کے لئے سب نیا تھا

پُشتِ کنتھک سے اُتر کر ہو گئے یکسر ملول
زندگی اور موت کے احساس نے گُم کر دیا

گوشۂ خلوت کی خاطر پھر اُدائی کو وہیں
روک کر پہونچے جہاں پر ایک جامن تھا کھڑا

تھے زمرّد کی طرح سبزے کے غالیچے بچھے
ہر نہال و برگ سے خوش گپتیاں کرتی ہُوا

چیتلوں کے غول تھے شبنم کے سائے میں کھڑے
اُڑ رہے تھے صف بہ صف طوطے فضا میں جا بہ جا

ذہنِ گوتم اوّلاً تھا فکرِ عنصر کا اسیر
اب کے وہ تھا پُرسکوں اور محوِ استدلال تھا

ایک استغراق کے عالم میں تھے ڈوبے ہوئے
لذّتِ خود آگہی سے ہو رہے تھے آشنا

رنج و راحت کے سبھی احساس اب کافور تھے
جذبۂ یک رنگ میں ہر تار تھا ڈوبا ہوا

آگیا اتنے میں اک درویش گوتم کے قریں
دیکھ کر اس کو وہاں ان کو تعجب سا ہوا

باادب پوچھا، مجھے بتلایئے ہیں کون آپ
کس لئے آئے یہاں ؟ کس سمت سے آنا ہوا؟

"ایک راہب ہوں، حیات و موت سے خائف ہوں میں
جستجوئے حق میں ہر اک سمت ہوں پھرتا ہوا

مجھ سے ہیں آباد، شہر و قریہ و دشت و جبل
غار و گلزار و بنِ اشجار و ارضِ بے صدا

آرزو ہے دیکھ لوں صدق و صفا کی وادیاں"
اتنا کہہ کر اک طرف تیزی سے وہ پھر بڑھ گیا

ابتدا ہی سے دلِ گوتم میں تھی رہبانیت!
مل کے اس مردِ صفا سے ذوقِ صحرا جاگ اُٹھا

ٹھان لی، سچّائیوں کے دیس جانا ہے اگر
راستہ کوئی نہیں ہے ترکِ دُنیا کے سوا

پھر وہیں سے وہ بہ عجلت آ گئے دربار میں
دم بہ خود.. پیچھے کھڑا تھا نکہتوں کا سلسلا

شاہ ان کو دیکھ کر دربار میں ششدر ہوئے
تھے مقیّد ایک اندیشے میں ان کے دست و پا

اپنے پہلو میں بٹھا کر پیار سے سِدھارتھ کو
یوں ہوئے گویا "مرے بیٹے! بتا ہے بات کیا"

ملتجی ہو کر کہا گوتم نے "اے میرے پدر!
اذن اب دیجے کہ ہوں سنیاس لینا چاہتا"

فیل کی ٹھوکر سے جیسے کانپ اٹھتا ہے شجر
شاہ کا سارا بدن یوں تھرتھرانے سا لگا

رو کے یہ کہنے لگے " اے سبزۂ باغِ نظر
دل ترا نا وقت کیوں اس فقر پر مائل ہوا؟

عمر تیری ہے تعیّش کی بہاروں کے لئے
ہے مناسب جادۂ پُرخار سے تو باز آ!

ہے بہت ہی سخت، یہ زہد و ریاضت کا جہاں
نوجوانی میں بھلا یہ بار ہے کس سے اُٹھا؟

خواہشوں کو ترک کرنا کس قدر دُشوار ہے
تجربوں کے پاؤں بھی اکثر گئے ہیں لڑکھڑا

عمر تو میری ہے، میں سنیاس لوں بیٹے مرے!
سلطنت اب دیکھ تو، لے مان بھی کہنا مرا!"

یہ نصیحت سُن کے گوتم اس طرح گویا ہوئے
"چار باتوں سے اگر مجھ کو بچا لیجے شہا!

کاٹ دوں گا زندگی ہنستے ہوئے اپنی یہیں
ترکِ دنیا کا ارادہ چھوڑ دوں گا برملا

رہگزارِ زندگی میں ہر قدم پر اے پدر!
پیری و مرگ و مرض اور غم رہیں مجھ سے جُدا"

شاہ اس پر تلملائے اس طرح، جیسے کوئی
کانچ کا ٹکڑا برہنہ پاؤں میں ہو چُبھ گیا

پھر کہا "بیٹے مرے! اب عقل سے آگے نہ بڑھ
غیر ممکن خواہشوں سے کب کسی کا دل بھرا؟"

"یہ نہیں ممکن شہا جب! پھر مجھے مت روکیے
کب ٹھہرتا ہے کوئی جلتے ہوئے گھر میں بھلا؟

ہے کمالِ زیست دُنیا کی جُدائی اے پدر!
راہِ حق میں چھوڑ دوں میں خود اسے، ہے کیا بُرا؟"

ضبط اب ممکن نہ تھا شہ کے لیے، چلا اُٹھے
"تو نہیں جا پائے گا بیٹے! نہیں جا پائے گا!"

اور گوتم شاہ کے قدموں کو چھو کر چل دیے
سیڑھیوں پر تھا اُداسی دیر سے بیٹھا ہوا

گفتگو اس نے سُنی تھی باپ بیٹے کی مگر
اس کے رُخ پر تھا سمندر کا سکوں ٹھہرا ہوا

جب کنور نزدیک آئے، یوں کہا اُس مرد نے
"ضد بھی کیا شے ہے؟ لگا یہ روگ جس کو وہ گیا

اب یہی اچھا رہے گا میں بھی دُنیا چھوڑ دوں
اس لئے گوتم مجھے بھی ساتھ لے لینا ذرا!

کاٹ دی ہنس کھیل کر اب تک تمہارے قُرب میں
دشتِ غربت میں اکیلا چھوڑ دوں تم کو بھلا؟

جس گھڑی جانا، بتا دینا چلا آؤں گا میں
منہ چُرا کر مت چلے جانا کہ یہ ہوگا بُرا!"

رو رہا تھا دل مگر ہونٹوں کے غنچے تھے کھِلے
بھر کے گوتم کو نگاہوں میں اُداسی چل دیا

یوں لگا سِدھارتھ کو، جیسے اچانک سامنے
گر پڑا زخمی کبوتر، پھڑپھڑا کر اڑ گیا

قصر میں راجہ اُدھر کرنے لگے وہ اہتمام
تا کہ سارا زور ٹوٹے جذبۂ سدھارتھ کا

پھر حسینوں کے پرے آنے لگے سازوں کے ساتھ
بزمِ موسیقی میں پھر بھی دل نہیں اُن کا لگا

رات ڈھلتے ہی حسینائیں وہیں سونے لگیں
فکر میں غلطاں کنور لیکن ابھی تھا جاگتا

ایک مہ رُو گال رکھ کر ہاتھ پر سونے لگی
گود میں وینا کا ہر اک تار تھا بیباک سا

بانسری ہاتھوں میں لیکر سو رہی تھی اک پری
جھک گئی تھی اک طرف، تھا پیرہن مسکا ہوا

ایک تھی مِردنگ کو باہوں میں بھر کر محوِ خواب
جزر و مد سے سانس کے چھنتا ہوا اک نور سا

یوں لپٹ کر سو رہی تھیں زرد کپڑوں میں کئی
جیسے گیندے کا چمن آندھی سے ہو بکھرا ہوا

اِک ٹکی تھی طاقچے کے بازوؤں میں جس طرح
سر خمیدہ بُتِ مصوّر کی کٹی میں ہو کھڑا

ایک کا رُوئے حسیں یوں جھک گیا تھا نیند میں
بوجھ سے شبنم کے جیسے گل خمیدہ ہو گیا

کچھ تو باہم یوں لپٹ کر بے حس و حرکت ہوئیں
جس طرح پکھراج کا اک ڈھیر بے ترتیب سا

اک سنہری کردھنی پہنے ہوئے بے ہوش تھی
ڈھول تھا آغوش میں، بڑھتا ہوا، ہٹتا ہوا

ایک تھی رانوں میں سارنگی دبائے بے خبر
زیر و بم اس کے بدن کا تھا بہت کچھ کہہ رہا

کچھ کے بندِ پیرہن سرکے ہوئے تھے جس طرح
جوشِ دریا سے کنارے ہو رہے بے دست و پا

نیم عریاں تھے اُبھاروں کے سحر گوں حاشیے
جیسے گنگا کے کنارے جھاگ ہو پھیلا ہوا

دیکھ کر اُن کو کنور کے دل میں آیا یہ خیال
ہے مزاجِ زن بُرائی کے اندھیروں سے بھرا

خودنمائی میں لگی رہتی ہے یہ شام و سحر
مرد اس کی ظاہری زیبائشوں پر ہے فدا

وہ سمجھتا ہے کہ جسمِ زن میں ہیں سب خوبیاں
اس غلط فہمی نے اُس کو طوق یہ پہنا دیا

آ چکی آخر گھڑی وہ، کوچ کرنا چاہیے
دل کے دروازے پہ کوئی دستکیں ہے دے رہا

اور پھر وہ حُجلہ، گویا میں آ کر رُک گئے
تھا جہاں آغوشِ شفقت میں پسر سویا ہوا

اک نظر دونوں پہ ڈالی اور پیچھے مُڑ گئے
فاصلہ صدیوں کا آخر ایک پل میں طے کیا

تلملا کر رہ گئی ہے فطرتِ حُبِّ وجود
آ گئی ہے چہرۂ دیوانگی پر اک جِلا

وہ محبت میں زن و اولاد کی آئے نہ تھے
کر رہے تھے ترکِ اوّل کے فرائض یوں ادا

اللہ اللہ وہ عروجِ جذبۂ خود آگہی
عقل کی نیرنگیاں سب ہو گئیں جس پر فدا

پھر جگایا آ کے چھندک نام کے سائیس کو
یوں کہا کنتھک کو لے کر جلد میرے پاس آ

پھر بہارِ قصر پر اک سرسری ڈالی نظر
ایک عالم ایک نقطے میں سمٹ کر آ گیا

پھینک کر ماں باپ کے محلوں پہ اک ہلکی نظر
ترکِ دوئم کے فرائض کر دیے ہنس کر ادا

سسکیاں لیتی ہوئی بادِ صبا بکھرا گئی
چاند تاروں کی جبینوں پر پسینہ آ گیا

دیکھ کر مسکن اُداسی کا نگاہیں پھیر لیں
ترکِ سوئم بھی نبھانا ہر طرح لازم ہوا

آگیا اتنے میں اسپِ ریختہ پا، خوش عناں
تھی سعادت کی گھڑی، وہ اس لئے مسرور تھا

پشت پر تھی زینِ رخشاں، منہ میں تھی زریں لگام
ہمّت ورفتار وقوت سے بھری تھی ہر ادا

ڈیڑھ دُم کی اصل، ہر ایڑی کشادہ تھی بہت
گوش و دُم اور بال تھے چھوٹے، دہن لیکن بڑا

تھا بغل، پُشت و شکم پر زیر و بم جلوہ طراز
جگمگاتی سی جبیں، سینے پہ اک پھیلاؤ تھا

تھپتھپا کر پیار سے اس کو کنور کہنے لگے
بادِ من! میں نے تمھیں پرکھا ہے یوں تو بارہا

تم ہوئے ہو کامراں ہر جنگ میں، لیکن سنو!
اب تمھارے ہاتھ میں ہے مرحلہ یہ آج کا

فرض ہے تم پر کہ میری کامرانی کے لئے
یوں چلو پیتا نہ کھٹکے، اُڑ چلو مثلِ ہوا

اس طرح سمجھا کے اس کو یوں ہوئے گوتم سوار
جیسے سُورج دُودھ جیسی بدلیوں پر آگیا

رات کی تاریکیوں میں یوں لگا اسپِ سپید
درمیاں کالے گلابوں کے ہو جیسے موگرا

تھی کوئی افسوں گری یا تھا مشیت کا کمال
آہنی درِ شہر کا تھا بند، بے کھٹکے کھُلا

نیند کی دیوی کھڑی تھی، خامشی پھیلی ہوئی
ذرّہ ذرّہ جس جگہ تھا منجمد سا ہو گیا

گیسوئے شب کی سیاہی، موجزن تھی ہر طرف
ماتمی چادر میں گویا شہر تھا لپٹا ہوا

باپ، ماں، اولاد و زن، غم خوار و ملک و قصر و زر
چھُٹ رہے تھے، سامنے تھا ایک دشتِ پُر بلا

چھُٹ گئے چندن ہنڈولے اور کٹورے دُودھ کے
تھال گوپا کے چھُٹے، رانی کا گجروٹا چھُٹا

سکھ گنیشتی[۱۳] چوتھ کے، تو پیار کروا[۱۴] چوتھ کے

سب چھُٹے، چھوٹا اُداسی کی ہنسی کا پینترا

دُودھ مُہے بچّے کی وہ کچنار سی باہیں چھُٹیں

باپ کے سینے کا وہ خوشبُو بھرا جھونکا چھُٹا

پاؤں پر بچھتے ہوئے چِت چور نیناں چھُٹ گئے

مخملی گدّے چھُٹے، سونے کا بجرا چھُٹ گیا

نھاپ، سُر، جھپ تال، سارنگی، منجیرے، بانسری

گورے گورے آنچلوں کی چھُٹ گئی ٹھنڈی ہوا

رُخ پہ گدنا گودتی اُلفت بھری نظریں چھُٹیں،

آم کی پھانکوں سی آنکھوں کا حسیں کاجل چھُٹا

چھُٹ گئی مہندی، مہاور اور بِندی کی پھبن

گل گدوں کو چھوڑ کر کانٹوں پہ راہی بڑھ چلا

○○

اَلوِداع چھندک!

آندھیو! آؤ کہ اب مدِ مقابل ہے کوئی!
کیوں تمہارے حوصلوں کو آ رہی ہے کپکپی؟

ٹوٹ جانے کا سلیقہ جانتی ہے یہ چٹان
تم کو تو معلوم ہے یہ سر خمیدہ کب ہوئی؟

نرم اتنی، دھول بن کر ہر قدم کو چوم لے
سخت اتنی، توڑ دے سورج کے نیزوں کی انی

دھند کے مجلس میں اِس کے جسم سے پھوٹی ضیا
سوز سے اِس کے اماوس بھی ہوئی ہے چاندنی

ڈوبتے منظر اِسی کے لمس سے پھر اُٹھ پڑے
کجروی کو مسکراکر دی اِسی نے آگہی

بادیہ پیما ہوئی یہ دوسروں کے کرب میں
تاکہ ہر چہرے پہ دیکھے دائمی آسودگی

وہ ٹھٹھرتی شب کے گھونگھٹ سے تجلّی کی نمو
نیند کے بندِ قبا کو توڑ کر اُٹھتی ہوئی

لال ڈورے جس کی آنکھوں کے شفق بن کر اُڑے
جس کے آنچل سے ہَوا لائی چُرا کر تازگی

پیرہن کی سلوٹوں سے رنگ یوں برسے تمام
ذرّے ذرّے کی ہنسی میں گھُل گئی دوشیزگی

ایک انگڑائی پہ ہر تارِ بدن جھنّا اُٹھا
اور فضا کی گود میں سنگیت کی رَو بہہ چلی

رات کے جاگے، تھکے ماندے کنور پہنچے جہاں
ہنس رہی تھی بھاگو[5] کے آشرم کی دلکشی

جاگ اُٹھے تھے پرندے اور سوئے تھے ہرن
اک بشاشت چہرۂ گوتم پہ لہرانے لگی

احترامِ زہد میں کنتھک سے اُترے دفعتاً
پیٹھ سہلائی، جبیں ہولے سے اس کی چوم لی

یوں کہا چھندک سے "میں نازاں ہوں تم پر اے رفیق!
تم نے بخشی ہے وفاؤں کے جہاں کو روشنی

بے صلہ تم نے رفاقت کی ہے میری رات بھر
میری خاطر تم نے جھیلی، ہر مصیبت راہ کی

ایک لمحے کے لئے پھر بھی نہ تم شاکی ہوئے
مختصر یہ تم نے بخشی مجھ کو بے پایاں خوشی

میں پہونچکر اس جگہ اب ہو گیا ہوں مطمئن
لے کے مرکب لوٹ جاؤ التجا ہے بس یہی"

پھر ہر اک زیور اُتارا، اور چھندک کو دیا
تاجِ زرّیں سے نکالا ایک لعلِ عنبری

یوں کہا "راجہ کو دے کر لعل یہ کہنا شہا!
کوئی خواہش اب نہیں سدھارتھ کو فردوس کی

اُس کا مقصد یہ نہیں ہو جائے وہ گوشہ نشیں
اس کے دل میں ایک ذرّہ بھی نہیں خفگی کوئی

ہاں مگر چھوڑا ہے سب کا ساتھ اُس نے اِسلئے
تاکہ کر دے مملکت مسمار مرگ و ضعف کی

ایسے رہرو کے لئے مغموم ہونا ہے عبث
بے سبب ہے آہ و زاری گریہ و آشفتگی

وقت کے ہاتھوں ہر اک عنصر اسیرِ ہجر ہے
وصل تو ہے چند روزہ بس حقیقت ہے یہی

فکرِ غم میں ترک کر دی میں نے دُنیا اسلئے
میرے غم میں فکر کرنا ہے نہیں دانشوری

میں رہِ اسلاف پر ہوں گامزن، میرے لئے
رنج کرنے سے نہ مل پائے گی اب کوئی خوشی

موت پر ترکہ کے وارث یوں تو ملتے ہیں بہت
وارثانِ حق بڑی مشکل سے ملتے ہیں کبھی

لوگ کہہ سکتے ہیں میں ناوقت راہب بن گیا
دائمی گر زندگی ہوتی تو آ جاتا کبھی

اس لئے اس نوجوانی میں کروں گا فکرِ حق
زندگی پر کیا یقیں؟ جب موت ہے سر پر کھڑی

یارِ من! اس طور کرنا شاہ کی دلجوئیاں
"میری خاطر ان کے دل میں اب نہ ہو آزردگی"

تھرتھرا اُٹھتے ہیں پتے آندھیوں میں جسطرح
کانپ اُٹّھا جسمِ چھندک، آنکھ بھی نم ہو گئی

یوں کہا، "آقا مرے! یہ فیصلہ اچھا نہیں
مضطرب ہو جائیں گے یہ جان کر اغیار بھی

بھول سے یہ پاؤں، جن پر ناز کرتا ہے چمن
کس طرح جھیلیں گے اب خار و شرر کی برہمی

شبنمی ماحول کو ملتی رہی جن سے ضیاء
اب وہی کیسے سہیں گے آندھیاں شعلوں بھری

کاش میرے دست و پا مفلوج ہو جاتے وہیں
آپ نے یہ اسپ لانے کو کہا تھا جس گھڑی!
میں نہیں تھا ہوش میں، قدرت کی تھیں نیرنگیاں
حکمِ شہ سے ورنہ میں کرتا بھلا کیوں سرکشی؟

ہائے وہ معصوم راہل، آپ کو ڈھونڈے گا جب
سنگ زادوں کے دلوں میں بھی مچے گی بے کلی

جب نہیں پائیں گے محلوں میں شہنشہ آپ کو
زندگی ان کے لئے ٹوٹی کماں ہو جائے گی

ماں کی آنکھ میں ویرانیاں بھر جائیں گی
راج ماتا جب سنیں گی آپ کی یہ بے رُخی!

کانپ اُٹھے گا وجود گردشِ لیل و نہار
دیکھ کر اپنی بہو رانی کی وہ افسردگی

چھوڑ کر احباب و یار و خانہ و عیش و طرب
آپ اب مجھ کو نہ چھوڑیں، یہ تمنّا ہے مری

بس اِنھیں قدموں پہ میری زندگی کی شام ہو
سانس جب ٹوٹے نظر آجائے صورت آپ کی

منھ بھلا کیسے دکھاؤں گا اکیلا لوٹ کر
سامنے یوں جاؤں شرکے، ہے بھلا ہمّت مری؟

ان کو میں کج مج زباں سے کس طرح سمجھاؤں گا؟
آ نہیں سکتی مجھے شستہ کلامی آپ کی

اس لئے اے تاجدارِ مُلکِ احسان و کرم!
چھوڑیے ہمّت یوں نہ سب کو، لَوٹ چلیے اِس گھڑی"

سُن کے چھندک کے وفا آمیز لفظوں کی صدا
اک تحمل کی دلِ گوتم پہ چادر تن گئی

یوں کہا چھندک سے پھر "اے والیٔ شہرِ وفا!
ہے نہیں زیبا مری خاطر یہ آشفتہ دلی

ہیں جو ہم رشتہ سبھی، یہ ہے محبّت کی کشش
موت لیکن آ کے ہم سب کو جُدا کر جائے گی!

جانتے ہو! میری ماں، جس نے جنم مجھ کو دیا
چھوڑ کر مجھ کو مرے بچپن میں آخر چل بسی

ساتھ چھوڑے گا کوئی کیوں دُودھ پیتے لال کا؟
تھی بہت مجبُور وہ بھی موت پر قادر نہ تھی

مختصر یہ، ربطِ عنصر کی بلندی ہجر ہے
اس لیے چھندک! تمھیں کیوں ہو رہی ہے بے دلی؟

بحر سے اُٹھ اُٹھ کے بادل، مِل کے ہوتے ہیں جُدا
ہاں اسی صُورت ہے دُنیائے وصال و ہجر بھی

جب کہ طے ہے سب کے سب یونہی جُدا ہو جائیں گے
کیوں تمھارے دل میں حُبّ وصل ہے مچلی ہوئی؟

لوٹ جاؤ اس طرح غم گیں نہ ہو چھندک مرے!
آ کے مِل جانا تمھیں یادیں ستائیں، گر مری

جا کے تم اہلِ کپِل وستو سے کہنا اِس طرح
اُلفتِ گوتم میں اب دل میں نہ لائیں ابتری

میں مِلوں گا اُن سے ہو کر فاتحِ مرگ و حیات
ورنہ مِٹ جائے گی ناکامی میں اپنی زندگی"

سُن کے یہ کنتھک نے منھ پائے حسیں پر رکھ دیا
انکھڑیوں سے آنسوؤں کی اک جھڑی سی لگ گئی

تھپتھپایا اُس کو گوتم نے بڑے ہی پیار سے
یوں کہا "کنتھک نہ گھبرا، دل نہ کر اپنا دُکھی

جو کرم تو نے کیا ہے مجھ پہ اے میرے ندیم!
پائے گا اُس کا صلائے بے بہا تو جلد ہی"

اور پھر چھندک سے زرّیں دست خنجر لے لیا
کوئی ناگن جیسے پھولوں میں اچانک آ گئی

زُلف اپنی کاٹ کر اک سمت پھینکی جس طرح
ڈوبتے سورج نے پھینکی ہو فضا میں تیرگی

یوں درخشاں تاج پھینکا آسماں میں جس طرح
ہنس اک تالاب میں صیّاد نے پھینکا کوئی

پھر نظر ڈالی جو اپنے قیمتی ملبوس پر
حسبِ حالت، دَلق پوشی ہوگئی تھی لازمی

آگیا اتنے میں سنیاسی کوئی اک سِمت سے
دے کے اپنا پیرہن، گدڑی اُسی کی اوڑھ لی

اللہ اللہ جذبۂ ایثار کی وہ منزلیں
جن کے دم سے ہے اُجالوں کا جہانِ سرمدی

آج وہ پلکیں ہیں فرّاشِ. بیابانِ وسیع
جن پہ کل تک ناز کرتا تھا شکوہِ کِشوَری

آج اُن آنکھوں میں ہے حدِّ نگہ تک ریگزار
مِٹ رہی تھی جن پہ کل تک رنگ دُبو کی دلکشی

آج اُن ہاتھوں میں استغنا کی آئی ہے زمام
جن سے دُنیائے نِعَم کل تک بہت مغرور تھی

آج اُن قدموں میں ہے دیوانگی کی شاہرہ
جن سے کل تک کانپ جاتی تھی رہِ فرزانگی

آج اُس پیکر پہ ہے اک کھُردرا سا پیرہن
جس پہ کل تک نرمیٔ دیبا تبسّم ریز تھی

چھندک و کنتھک کو دیکھا پھر بہ چشمِ التفات
مُڑ گئے گوتم جدھر تھی آشرم کی زندگی

اس طرح ترکِ چہارم بھی ہوا ہنس کر ادا
فقر کے ماتھے پہ اک تازہ سحر ہنسنے لگی

ہاتھ پھیلا کر وہیں چھندک زمیں پر گر پڑا
مضمحل ماحول میں تھی آہ و زاری گھُل رہی

دیکھتا تھا اسپ گوتم کو، کبھی سائیس کو
گردشِ پا، دل کی دھڑکن سے لگی تھی ہر گھڑی

دَوڑ پڑتا تھا کبھی گوتم گئے تھے جس طرف
سُن کے چھندک کی بُکا وہ لوٹ پڑتا تھا کبھی

الغرض سائیس پلٹا اسپ سے رویا بہت
اس طرح چلنے لگا جیسے خراماں لاش تھی
گر پڑا، آہیں بھریں، ٹھوکر لگی، پھسلا کہیں
سینہ کوبی کی کبھی اور خاک چہرے پر مَلی!

∞

شہرِ آہ و بُکا

اب مری پرچھائیاں بھی کر رہی ہیں سرکشی
جانے کیا کیا دن دکھائے گی مری سادہ دلی

دردِ گیتی کا مداوا ہم بھلا کیسے کریں؟
جبکہ اپنے غم سے فرصت ہی نہیں پائی کبھی

عام انسانوں کی صورت ہیں ہمارے روز و شب
بزمِ عشرت ہے کبھی تو آہ و زاری ہے کبھی

رازہائے زندگی کیا ہیں؟، ہمیں کیوں فکر ہو؟
عام خوشیوں کے لئے ہے وقف اپنی زندگی

شام، یوں تو روز لاتی ہے اندھیروں کا جہاں
صبح لیکن آج لائی ہے گھنیری تیرگی

ہوگیا ہے قلب چھندک بارِ غم سے پاش پاش
دست و پا بے جان سے ہیں اور آنکھیں ہیں بجھی

آہ! جو رہ نصف شب ہی میں کٹی تھی ایک دن
لوٹنے میں ہاں وہی اب آٹھ دن میں طے ہوئی

جسمِ کنتھک، نارِ غم سے ہوگیا بے آب و تاب
زرفشاں پوشاک و زیور کی درخشانی بجھی

دم بہ دم مڑ مڑ کے آقا کو صدائیں دیں عبث
آب و دانہ تج دیا، اس طور تھی افسردگی

الغرض پہنچے کپِل وستو، یہ دونوں با وفا
دیکھ کر حالت وہاں کی اور بھی وحشت بڑھی

تھا وہی قصرِ مصفّا، تھے وہی دیوار و در
تھی نہ اب اگلے دنوں سی وہ بہار و دلکشی

زرد رو پُرئِن کے پتّے، سر جھکائے تھے کنول
کر رہی تھیں اشک باری جھیل کی موجیں سبھی

سبزہ و باغ و چمن، غرقِ غم و اندوہ تھے
شہر کے ہر ایک ذرّے پر اُداسی تھی بچھی

پشتِ کنتھک پر نہ دیکھا جب کنور کو شہر نے
ہچکیاں لینے لگا غم گیں فضا بھی ہو چلی

خشمگیں کچھ لوگ تھے، چھندک سے یوں کہنے لگے
"چھوڑ آئے تم کدھر، اس مملکت کی دل کشی؟"

یوں کہا چھندک نے رو رو کر، "کہاں میری بساط؟
ہاں کنور نے لے لیا بن باس دنیا چھوڑ دی"

آبدیدہ لوگ یہ سُن کر ہوئے، رونے لگے
غم کی موجِ بے کراں احساس کو چھونے لگی

یوں لگے کہنے کہ "اب تو شاہزادے کے بنا
دشتِ بے آب و شجر ہے اب ہماری زندگی

اس لئے ہم سب کنور کی جستجو میں جائینگے
ان پہ کردیں گے نچھاور بالیقیں یہ زندگی

شہر یہ اُن کے بنا صحرائے دردوکرب ہے
جس بیاباں میں کنور، وہ ہے خیابانِ خوشی

روز نوں پر بانوانِ شہر آئیں دوڑ کر
لَوٹ آئے ہیں کنوَر یہ جُستجو دل میں ہوئی

شہریوں کو دیکھ کر گریہ کناں، ششدر ہوئیں
پشتِ مرکب دیکھ کر خالی، ہر اک رونے لگی

اور جب چھندک محل میں شاہ کے داخل ہوا
اُس کی رگ رگ سے ٹپکتی تھی بڑی بے چارگی

ہنہنایا کرب سے کنتھک، محل کے صحن میں
عرض جیسے کر رہا ہو سب سے اپنی بے بسی

سُن کے وہ آواز اہلِ قصر شاداں ہو گئے
یہ سمجھ کر، لوٹ آئے ہیں کنور اِس بار بھی

دیکھنے گوتم کو نکلیں نازنیں، دفعتاً
کائناتِ حسرت و اُمید پر بجلی گری

منتشر تھیں کاکلیں، اُلجھی ہوئی تھیں سادیاں
چشمِ ویراں، آنسوؤں کی رُخ پہ اک تحریر تھی

رنگتیں بدلی ہوئی تھیں، شوخیاں روپوش تھیں
جیسے ہنگامِ سحر، تاروں کی زینت ہو بجھی

پاؤں میں اُن کے مہاور تھی، نہ مہندی ہاتھ میں
کان میں کنڈل نہ تھے، گردن میں بَن مالا نہ تھی

جم گئی تھیں پپڑیاں ہونٹوں پہ، چہرے زرد تھے
گردنیں کج ہو گئیں، ہر سانس تھی اُکھڑی ہوئی

ہاتھ میں چھلّے نہ تھے، گجرے نہ تھے، کنگن نہ تھے
ہار سینوں پر نہ تھے، روٹھی ہوئی تھی کردھنی

وہ سراپا زیب و زینت، صیدِ حزن و یاس تھیں
ان کو ٹونا مار کے قسمت کہیں رُوپوش تھی

پشتِ کنتھک دیکھ کر آہ و بُکا کرنے لگیں
سن کے شیون گوتمی پرجاوَتی بھی آ گئی

جس طرح آندھی کے جھونکوں سے شجر چومے زمیں
دیکھ کر مرکب کو رانی باہنہ پھیلا کر گری

یوں لگی کہنے "مرے گوتم! یہ تو نے کیا کیا،
مامتا کی سمت سے آخر کمی کیا رہ گئی؟

لال میرے! بھول کیا مجھ سے ہوئی جو اس طرح
اتنی خاموشی سے تو نے جنگلوں کی راہ لی!

کس طرح منھ اپنا دکھلاؤں میں تیرے باپ کو؟
تھا گماں مجھ کو کہ تو ہر بات مانے گا مری

لُمبنی کے دشت سے اس مرمریں ایوان تک
میں بہ ہر لحظہ ترے چہرے کو بس تکتی رہی

میں بھلا کیسے کہوں، تو سنگ دل ہے اے پسر؟
پھر بھی تیرے فیصلے نے چھین لی دنیا مری

لال میرے! میں سگی ماں تو نہیں تیری مگر
میں سگے بیٹے سے بھی بڑھ کر تجھے تھی مانتی

تو مرے آنسو، مری خوشیاں، مری جاں لے گیا
خواب میرے! لے گیا تو زندگی کی ہر گھڑی

آکر بس اک بار تجھ کو دیکھ لوں پیارے مرے!
پھر چلے جانا کروں گی میں نہیں شکوہ کوئی

میں تجھے بَن باس کی دیتی اجازت برملا
ہائے کوشلیّا کی مورت، بخت والی میں نہ تھی

میں ترے ہمراہ چلتی گر، تو کیا ہوتا بُرا؟
ساتھ میں بیٹوں کے کُنتی جنگلوں میں بھی رہی

ہائے آسائش کی باہوں میں پلے وہ دست و پا
کس طرح جھیلیں گے مشکل ریگزار و دشت کی"

دم بخود ہیں دیکھ کر رانی کو کچھ زرّیں کمر
بے حس و بے اشک و بے انفاس ہیں تصویر سی

اور کچھ تو اشک باری کر رہی تھیں اِس طرح
اُودے اُودے بادلوں کی لگ گئی جیسے جھڑی

جیسے بارش میں کنول بھیگے ہوئے ہوں جھیل میں
آنسوؤں میں یوں نہائے تھے حسیں چہرے سبھی

نرم ہاتھوں سے لگیں کرنے وہ سینہ کوبیاں
اپنے ہاتھوں چوٹ کھائے جیسے طوفاں میں ندی

اور تب گویا بہ اندوہ و بہ چشمِ خشمگیں
جسم لرزاں، اشک افشاں اس طرح کہنے لگی

ہائے چھندک! آج تنہا لوٹ کر آیا ہے کیوں
چھوڑ آیا ہے بھلا کس دشت میں منزل مری؟

اس طرح اے سنگ دل! کیوں رو رہا ہے آج تو؟
شاد ہو، بے کار ہے اب آہ وزاری بہ تری

چھوڑ آیا ہے بیاباں میں مری تقدیر کو
ہاں بڑی محنت سے تجھ کو کامیابی ہے ملی

دشمنِ دانا ہے بہتر یارِ ناداں سے کہ یوں
دوستی میں تو نے اک دنیا حسیں برباد کی

آہ! بد بختی مری! کنتھک نے چوروں کی طرح
چپکے چپکے رات میں جنت چرائی ہے مری

آج کیسا ہنہناتا ہے محل میں دم بہ دم؟
جب چلا تھا اُن کو لے کر تب زباں کیا گنگ تھی؟

ہنہناتا اور سُموں سے گر کھرچتا فرش یہ
گال اور نتھنوں سے گر آواز یہ کرتا کوئی

مجھ پہ یوں شعلے نہ برساتیں غموں کی بدلیاں
اس طرح وہ جا نہ پاتے، جاگ پڑتے ہم سبھی"

حرفہائے اشک سے گوندھی ہوئی تقریر کو
سُن کے چھندک نے بالآخر دست بستہ عرض کی

"آپ پر قربان میں، اور سب مرے اہل و عیال
آپ کو زیبا نہیں اِس وقت یہ ناراضگی

میرے قابو میں نہ تھے اُس رات سب میرے قویٰ
جانے کس قوت سے تھا بے دست و پا یہ اسپ بھی

سو گئی تھی جانے کیسے اِس کی ٹاپوں کی صدا
جانے کیوں آواز بھی اس کی خلا میں کھو گئی

یہ نوشتہ کا اثر تھا شک نہیں اس میں ذرا
خود بخود وا ہو گیا تھا شہر کا در اُس گھڑی

اِسلئے میری بہو رانی نہ یوں ناراض ہوں
جُرم ہم دونوں سے 'دانستہ نہ ہو پایا کبھی"

جب سنی چھندک کی باتیں سب ہوئیں حیرت زدہ
یاد کر کے پھر بھی گوتم کو ہر اک رونے لگی

آنکھ میں بادل بھرے چہرے پہ اک طوفاں لئے
گوتمی پرجاوتی، رُک رُک کے یوں کہنے لگی

ہائے! وہ گیسوئے پیچاں، نازشِ تاج و کلاہ
چاندنی جن کی غبارِ راہ بن کر کھو گئی؟

وہ کہ جس کا قدِ بالا، اوج گاہوں کا سکوں
شیر سی رفتار جس کی ہے امینِ دلکشی

جس کی آنکھوں کی سحر ہے قاسمِ لطف و کرم
جس کے ماتھے سے ہویدا تابشِ فرزانگی

شہر یہ ایسے حسیں کردار کے لائق نہ تھا
اس میں صدیوں سے تھی اُس کی رہِ دیوانگی

ہائے اُسکے پاؤں جن میں نقشہائے سعد ہیں
جن پہ ہو قربان سبزہ اور لطافت پھُول کی

درمیاں جن کے نشانِ قوس ہیں ہنستے ہوئے
وہ برہنہ کس طرح جھیلیں گے کانٹوں کی انی

وہ حسیں پیکر، جمالِ گلستانِ دلبراں
جس پہ کل تک مخمل و دیبا کی تھی جلوہ گری

سہہ سکے گا کس طرح وہ سختیِ بادِ سموم!
موسمِ سرما کی ٹھنڈک اور ساون کی جھڑی

ہاتھ میں کشکول ہے اُس کے، کہ جس پر ہیں فدا
قوت و علم و شجاعت، ہمت و فرزانگی

جس کو شہنائی جگاتی تھی بہ ہنگامِ سحر
کس طرح فرشِ زمیں پر نیند اس کو آئے گی"

مادھوی حیران سی اتنے میں آئی اُس جگہ
دیکھ کر منظر یہ، حالت غیر اُس کی ہو گئی

دوڑ کر پہونچی اُسی حوضِ مصفّٰی کے قریں
مرمریں آرام گہ میں ہاتھ پھیلا کر گری

پھڑ پھڑائے ہونٹ، آنکھوں سے بہا سیلابِ غم
سسکیوں سے اس طرح سرگوشیاں کرنے لگی

"خود کو میں نے کل جلا کر خاک کر ڈالا مگر
آج قربانی مری اس طرح ضائع ہو گئی

میں نے کب چاہا؟ مجھے سدھارتھ کی قربت ملے
ترکِ دُنیا وہ کریں مت، دل میں تھا سودا یہی

دُور تھے مجھ سے بہ ظاہر، پھر بھی تھے پیشِ نظر
اِنھیں ڈیو! ماتم کرو، یہ بات بھی آخر گئی

دُور آنکھوں سے ہوئے، لیکن دلِ غم آشنا!
تیری نظروں سے وہ بچھڑ جا نہیں سکتے کبھی

ظاہری اوصافِ زن کے دیکھ پائے وہ مگر
حسنِ زن کی باطنی خوبی نہیں دیکھی کبھی

ہر طرف اس کے ہی دم سے گرمیٔ بازار ہے
دل میں رکھتی ہے یہ عورت آگ وہ دہکی ہوئی

ہاں! اِسی کے فیض نے اُن کے سمندِ راہ کو
خارزار و دشت و آتش گاہ میں مہمیز دی

آرزوئے شہ کے آگے تو مری قربانیاں
ہیں عبث، لیکن مبارک ہو تجھے دیوانگی

میں بھی نازاں ہوں، جو میرے ہو کے بھی میرے نہیں
دولتِ سوزِ دروں مجھ سے بھی اُن کو ہے ملی!

کون اُن کو روکتا، جانا ہی تھا اِک دِن اُنھیں
اب وہ دیکھیں کس قدر گنجِ ہمہ ہے مادھوی"

اشک پونچھے، رُخ پہ لہرانے لگی تازہ چمک
اک ارادہ دل میں لے کر پھر وہیں واپس ہوئی

دیکھ کر گوپا اُسے بولی کہ "اے میری بہن!
دیکھ آقا نے ترے یمبا کی دُنیا لُوٹ لی

چھوڑ کر مجھ کو وہ کرنا چاہتے ہیں نیکیاں
وہ اکیلے ہی کریں گے اب عبادت کونسی؟

کاش میں بھی جانکی ماں کی طرح ہر اک جگہ
راہِ حق میں خود کو اُن کے ہر قدم پر وارتی

یہ بھی ہو سکتا ہے مجھ کو جان کر نا اہل وہ
بادیہ پیما ہوئے ہوں، ہائے رے قسمت مری

وہ تلاشِ حق میں سر گرداں ہوئے مانا مگر
یوں انھیں چوری سے جانے کی ضرورت کیوں پڑی؟

میں نہیں کہتی کہ مجھ پر مہرباں آقا نہ تھے
پھر سمجھنے میں مجھے، اُن سے بخیلی کیوں ہوئی؟"

مادھوی بولی "عبث گو یا ہے یہ طرزِ سخن
اب سنبھالو! خود کو اِس دم ہے تمھیں زیبا یہی

کس طرح کہتی ہو آقا کر گئے تنہا تمھیں
ہے تمھارے دل میں آخر کون صورت موہنی؟

وہ ہوئے ہیں دشت پیما اہلِ دُنیا کے لئے
چھوڑ دو یہ آہ و زاری، یہ کبیدہ خاطری!"

تب کہا گوپا نے "یہ سچ ہے مگر وا حسرتا
الوداع کہنے کی مجھ کو مل نہیں پائی خوشی

میں انھیں کب روکتی، جانا تھا وہ جاتے مگر
ہاں بتا دیتے، اُنھیں میں مُسکرا کر بھیجتی

منتخب آخر انھوں نے خود کیا تھا کیوں مجھے؟
راز یہ افشا ہوا ہے آج مجھ پر مادھوی!

آہ میرے حُسن! تجھ کو ناز تھا خود پر بہت
دیکھ! ان کے سامنے تھی کون سی قیمت تری

وہ گئے مرنے کا حق بھی چھین کر مجھ سے گئے
سامنے راہل کی ہے معصوم صورت ہر گھڑی

مال و زر اب کیا کروں؟ یہ عیش و عشرت ہیچ ہے
لال، راہل ہے مری گدڑی کا، میری زندگی

اے مرے سِندور کے شعلو! تمھیں میری قسم!
تم تبسّم کرنا ہر اِک مشکل مرے سرتاج کی

بانہہ پکڑی تھی مرے آقا نے میری ایک دن
ان کی پرچھائیں پکڑ کر کاٹ دوں گی زندگی

میں ہی کیا، سارا جہاں اُن کے لیے بے چین ہے
پھول بن کر پاس تھے، اب اُن کی خوشبو ہی سہی

مادھوی! تم نے کہا سچ، آؤ ماں کو لے چلیں
لاڈلے کے غم میں ہیں کس درجہ وہ بے جان سی"

مادھوی کے رُخ پہ یہ سُن کر اُجالے چھا گئے
ساتھ گویا کے وہ رانی کو اُٹھا کر لے گئی

پھر وفا کی جھیل میں ہنسنے لگے تازہ کنول
گلشنِ ایثار سے خوشبو ہر اک جانب اُڑی

اُس طرف مندر سے کر کے ختم پُوجا اور ہَوَن
شاہ نکلے تھے، انھوں نے نالہ و زاری سُنی

مضطرب ہو کر بڑھے دیکھی صفِ نوحہ گراں
گر پڑے وہ ہائے گوتم! کہہ کے اک دم اُس گھڑی

ہو گئے بیہوش، جب آنکھیں کھُلیں، کہنے لگے
"آہ! کنتھک تو سدا دیتا رہا مجھ کو خوشی

آج وہ غم دے دیا تو نے مگر اے ہم نشیں!
ہو گئی وقفِ خزاں آخر ضعیفی بہ مری

مجھ کو لے چل! اب جہاں ہے لاڈلا گوتم مرا
یا اُسی کو لا کے واپس، پھر بسا دُنیا مری

خیمہ زن مایوسیوں کی دُھوپ ہے اب چار سُو
وہ گیا کیا زندگی کی بیل ہی مُرجھا گئی

تھے بڑے خوش بخت دشرتھ، رام کے غم میں مرے
میں غمِ اولاد میں زندہ ہوں ہے ہے بے بسی"

اور پھر اک بار وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے!
آ گئی اتنے میں گوپا، ساتھ میں تھی مادھوی

ہوش میں لا کر بڑی نرمی سے سمجھایا اُنھیں
اشک پونچھے، دی تسلّی، ہر طرح کی دلدہی

آ گیا اتنے میں راہل بے خبر ہنستا ہوا
بڑھ کے شہ نے اس کی پیشانی دمکتی چوم لی

ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا مل گیا
آگ صحرا کی فقط اک بوند سے ٹھنڈی ہوئی

آ گئے ارکانِ دولت بھی بہ چشمِ نم وہیں
ایک لمحے کے لیے ہر سو خموشی چھا گئی

پھر پروہت نے کہا، "گر آپ کی ایما ملے
چاہتا ہوں میں کروں اب جستجو سدھارتھ کی

عین ممکن ہے کہ سمجھانے سے ہو اُس پر اثر
لوٹ آئے گر سُنے وہ آپ کی بے چارگی"

شہ نے رُک رُک کر کہا "اے تاجدارِ علمِ حق!
آپ کے دل میں ہے جو ارشاد کیجئے وہ جلد ہی

بادباں میرے سبھی، طوفاں اُڑا کر لے گیا
اب تو میرے پاس ہیں سب کشتیاں ٹوٹی ہوئی

وہ محل، وہ سبزۂ خوش رنگ، وہ رنگیں چمن
وہ گروہِ گلعذاراں، وہ فضائے دلبری

وہ صفِ ناز و نعم، وہ خانۂ عشرت فشاں
وہ جہانِ دلفریبی، وہ شکوہِ کشوری

وہ نگاہِ مادرِ مشفق، وہ گوپا کی لگن
وہ تبسّم پاشِ راہُل، غنچۂ زندہ دلی

سب کے سب گوتم کے آگے آبگینوں کی طرح
ہو گئے تحلیل، باقی ہے فقط دیوانگی

اس لئے اپنے وسائل اب عمل میں لائیے
کاش اُن سے ہو سکے اپنے کنور کی واپسی"

خوش پُروہت ہو گئے، عجلت میں پیچھے مُڑ گئے
شاہ و گوپا کے عقب میں مادھوی چلنے لگی

جب اُدائی کو ہوا معلوم یہ سب ماجرا،
اُڑ گئے ہاتھوں کے طوطے، چھا گئی اک تیرگی

آنکھ میں آنسو نہ تھے، رُخ پر کوئی جذبہ نہ تھا
تھی مگر دل میں بھیانک آندھیوں کی تیرگی

آخرش کہنے لگا "گوتم! مجھے معلوم تھا
اب تمھارے پاؤں روکے رُک نہیں سکتے کبھی

ہاں مگر اتنی توقع بھی نہ تھی تم سے مجھے
وقتِ رخصت بھی نہ رہ جائے گا پاسِ دوستی

تم بڑے نادان ہو، مجھ سے چھپو گے اب کہاں؟
آرہا ہوں یہ بتانے، ہے بھلا کیا دوستی!"

اصطبل سے اسپ کھولا اور باہر آگیا
تھے پُروہت سامنے رُخ سے عیاں تھی بے کلی

یوں کہا "بیٹے اُدائی! جارہے ہو تم کہاں؟
جانتا ہوں اُلجھنیں ساری تمہارے ذہن کی

ہجرِ گوتم سے تمہارا دل شکستہ ہے بہت
میں سمجھتا ہوں تمہارے قلب نے کیا ٹھان لی؟

جارہے ہو، شوق سے جاؤ کنور کے پاس تم
کٹ ہی جائے گی کسی صورت ضعیفی یہ مری"

شورشیں دل کی گریں آنکھوں سے جھرنوں کی طرح
سامنے شفقت کے یاری نے سپر خود ڈال دی

تھپتھپائی بیٹھ بیٹے کی پدر نے، پھر کہا
"جارہا ہوں میں کنور کی کھوج میں بس آج ہی

شاہزادے کو مناکر پھر یہیں لے آؤں گا!
پھر چمن میں پھول مہکیں گے، کھلے گی ہر کلی"

خشک ہونٹوں پر اُداسی کے تبسّم چھا گیا
فطرتِ گوتم پہ تھی اُس کی نظر ٹھہری ہوئی

یوں لگا کہنے کہ "ملئے آپ گوتم سے مگر!
وہ یہاں پھر لوٹ آئے؟ ہو نہیں سکتا کبھی

اس کے دل میں مضطرب ہے شعلۂ آتش فشاں
لوٹ آئے گا وہ خود، گر آگ یہ ٹھنڈی ہوئی

ہاں مگر اپنی تسلّی کے لئے میرے پدر!
جائیے کم تو نہیں گوتم سے ملنے کی خوشی"؛

بڑھ چلی تھی دوپہر کی دھوپ میں شدّت بہت
چھاؤں اپنی ہر شجر نے اپنی جانب موڑ لی

○○

آشرم

گنگناتی دھوپ میں وہ پیکرِ رعنا بڑھا
ذرّہ ذرّہ اس کی چتون پر تصدّق ہو گیا

جسم پر تھا خرقۂ مسکیں، مگر وہ خوش بدن
بڑھ رہا تھا ہر نظرے کو تازگی دیتا ہوا

برہم چاری ہوم کرنے کے لئے تیار تھے
دیکھ کر من موہنی صُورت انھیں سکتہ ہوا

دُوب کے تنکے لئے منہ میں ہرن مسحور تھے
مور خوش ہو کر اچانک ہو گئے نغمہ سرا

ہر نظر میں تھی محبّت کی شفق پھولی ہوئی
اُس جمالِ خوش اَدا سے ہر نفس مسرور تھا

سب کے سب آگے بڑھے گوتم کے استقبال کو
قلب میں بھر کر محبّت کا گلابی سلسلہ

ملتفت ہو کر ملے، گوتم بھی ان سے اِس طرح
آشرم کے ذرّے ذرّے پر تبسّم چھا گیا

اور پھر سنیاسیوں کے ساتھ گوتم چل دیے
چلتے چلتے جائزہ بھی گوشے گوشے کا لیا

پھر ریاضت کی انوکھی صورتوں کو دیکھ کر
قلب میں ان کے سوالوں کا جہاں ہنسنے لگا

سال خوردہ ایک راہب سے وہ یوں کہنے لگے
"سحر آلودہ ہے کس درجہ یہاں کی یہ فضا

آشرم میں آج پہلی بار آیا اس لئے
مجھ کو فرمائیں یہاں کے ضابطوں سے آشنا

حضرتِ والا بتانے کی ذرا زحمت کریں
فرض کیا ہے کیا مشاغل کا یہاں ہے دائرہ

پیرِ کہنہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھل گئی
پیار میں ڈوبے ہوئے لہجے میں وہ گویا ہوا

"پاکبازی و طہارت فرضِ اولیٰ ہیں یہاں
ہے ریاضت میں یہاں ہر اک نفَس ڈوبا ہوا

طائروں کی طرح ان میں کچھ تو رہتے ہیں یہاں
دانہ دانہ چُن کے اپنی بھوک لیتے ہیں مٹا

کچھ چرندوں کی طرح سبزہ پہ کرتے ہیں گذر
جی رہے ہیں کچھ ہوا کے دم پہ یاں صبح و مسا

اس طرح دشتِ ریاضت سے گذر جائیں گے جب
باغِ جنّت کی بہاروں میں رہیں گے یہ سدا

وادیٔ غم سے گذر کر عشرتوں کا شہر ہے
نیکیوں کی اصل کیا ہے؟ صرف خوشیوں کی ردا"

سُن کے یہ تقریر گوتم ہو نہ پائے مطمئن
اور اس راہب سے آخر عاجزانہ یوں کہا

"یہ ریاضت کا جہاں تو ہے بنائے درد و غم
صرف جنّت کی طلب، صد حیف! اس کا مدّعا

بے ثمر، بے مقصد و بیکار ہے یہ زہد سب
آرزوئے خلد ہو جس کی متاعِ بے بہا

ترکِ دُنیا باغِ جنّت کے لئے بے سُود ہے
کب مِٹا ہے اس طرح سے کلفتوں کا سِلسلہ

جسم کو آزار دے کر چاہتا ہے جو خوشی!
اس کی قسمت میں نہیں آسُودگی کا راستہ

سچ تو یہ ہے نفس کے زنداں میں انساں ہے اسیر
ہے بہادر بس وہی، آزاد جو اس سے ہوا

گر خدا کے نام سے ملتی کہیں آسُودگی
مُفت پا جاتے چرندے بھی ثوابوں کی ردا"

پھول سے ہونٹوں پہ یہ امرت بھرے الفاظ تھے
پیرِ کہنہ پر اچانک ایک سکتہ چھا گیا

کھو چکا تھا شام کی چادر میں سورج کا بدن
اور دھندلکا آشرم میں چار سُو بڑھنے لگا
ہر کٹی میں گونج اٹھیں جاپ کی میٹھی دھنیں
دھوپ کی خوشبو میں تھا ہر اک نفس ڈوبا ہوا

آسماں نے مٹھیاں کھولیں، گہر ہنسنے لگے
چاند کا اُجلا کبوتر آسماں پر اُڑ چلا

شب کی دوشیزہ اداؤں میں چمک وہ بڑھ چلی
ایک اک ذرّے کی رگ رگ سے لہو پھٹنے لگا

راہبوں کے ساتھ کاٹی رات گوتم نے وہیں
ذہن میں تھا فکر کا شعلہ مگر بھڑکا ہوا

نرم رو جھونکے ہوا کے تھپکیاں دینے لگے
نیند کی دیوی نے گوتم کو سہارا سا دیا

الغرض پھر وادیِ مشرق میں لالے کھِل گئے
پھر ہمالہ کی طرف سے آگئی تازہ ہوا

خامشی کو چیر کر پھر گُنگنائیں شورشیں
آشرم پھر دل نشیں نغمات سے پُر ہو گیا

عزمِ نو نے کروٹیں لیں، راہبوں کو دیکھ کر
اُٹھ پڑے گوتم، لبوں پر تھی تبسّم کی ضیاء

گھیر کر سنیاسیوں نے یوں کہا "اے مہرباں!
آپ نے آکر یہاں ہر سُو اُجالا کر دیا

چھوڑ کر ہم کو یہاں سے اب کہیں مت جائیے
آپ باور کیجیے، احسان یہ ہوگا بڑا

سلسلے رنگیں ہمالہ کے، بہت نزدیک ہیں
سالکوں نے جس جگہ پائی مُرادِ بے بہا

چند قدموں پر ملے گی وہ مُقدّس سرزمیں
جس کی باہوں میں غموں کے ابر ہوتے ہیں ہوا

بارِ خاطر گر ہوئی ہو بات کوئی بھی یہاں
درگذر کیجے کہ دل ہے آپ کا بلّور سا

آپ کی آمد نے بخشی ہے ہمیں وہ تازگی
چشم و دل نے اوڑھ لی ہے ایک نورانی قبا

شہد میں گوندھے ہوئے الفاظ نے سدّھارتھ کو
شادمانی کے گلابوں سے وہیں نہلا دیا

مسکرا کر یوں لگے کہنے کہ "میں خوش بخت ہوں
آپ کے قدموں میں رہنے کا مجھے موقع ملا

جو محبّت اور شفقت آپ نے بخشی مجھے
عمر بھر میں شکریہ اس کا کروں گا کیا ادا

آپ نے میرے تجسّس کو انوکھی فکر دی
شوق نے حاصل کیا ہے آپ سے رستہ نیا

متفق تو میں نہیں ہوں آپ کی ہر بات سے
ہاں مگر دل میں مرے روشن ہوا ہے اک دِیا"

پھُنگیوں پر آم کی پھیلی کنواری دھُوپ تھی
زرد پھُولوں سے کنیروں کے دُلہن سی تھی فضا

پھر کہا گوتم نے "مجھ کو ہے قلق اس دم وہی
شہر اپنا چھوڑ کر جس وقت میں رُخصت ہوا

آپ کا یہ زہد ہے خلدِ بریں کے واسطے
اور مجھ میں ہے فقط نروان کا جذبہ جگا

اس لئے ممکن نہیں مجھ سے، یہاں میں رُک سکوں
فرق جب افکار میں اپنے ہویدا یوں ہوا

یہ غلط، بھائی! نہ میرے دل کو یہ جائے حسیں
سچ نہیں یہ بھی، مجھے بھُولے سے کوئی دُکھ ملا

آپ سے ایثار و اخلاق و مروّت کا جہاں
آپ سب عظمت کے پیکر ہیں گروہِ اصفیاء"

سُن کے معنی خیز، شیریں، پُراثر تقریر یہ
راہبوں کے دل میں اُن کی قدر کا جذبہ بڑھا

ایک سنیاسی کہ جو تھا سُرخ چشم و خاک پوش
ہاتھ میں جس کے کمنڈل، سر پہ بکھری تھی جٹا

یوں لگا کہنے کہ "ہے یہ فیصلہ بہتر بہت
حبّذا! ادراک ایسا نوجوانی میں مِلا!

زُہد سے جو چاہتے ہیں خلد وہ ناکام ہیں
کامراں وہ ہے جو اپنے نفس پر خود چھا گیا

ہے گزارش، آپ اب آلار سے جاکر ملیں
ان سے منزل کا نشاں بھی آپ کو مل جائے گا

ہے یقیں مجھ کو ملے گی کامرانی آپ کو
آپ کے قدموں کو چومے گا نصیبِ بے بہا

آپ کے اخلاص کا ڈنکا بجے گا چار سُو
چہرۂ انسانیت بھی آپ سے کھِل جائے گا

وہ بلندی جو بزرگوں نے نہیں پائی کبھی
آپ کے قدموں کو چومے گی، یہ ہے میری دُعا"

چوکڑی بھرتی ہوئی دوڑیں غزالوں کی صفیں
مور کی جھنکار سے ہر سمت رس بہنے لگا

الوداع! کہہ کے گوتم پھر روانہ ہو گئے
ان پہ سایہ بن گئی ہر ایک راہب کی دعا

○○
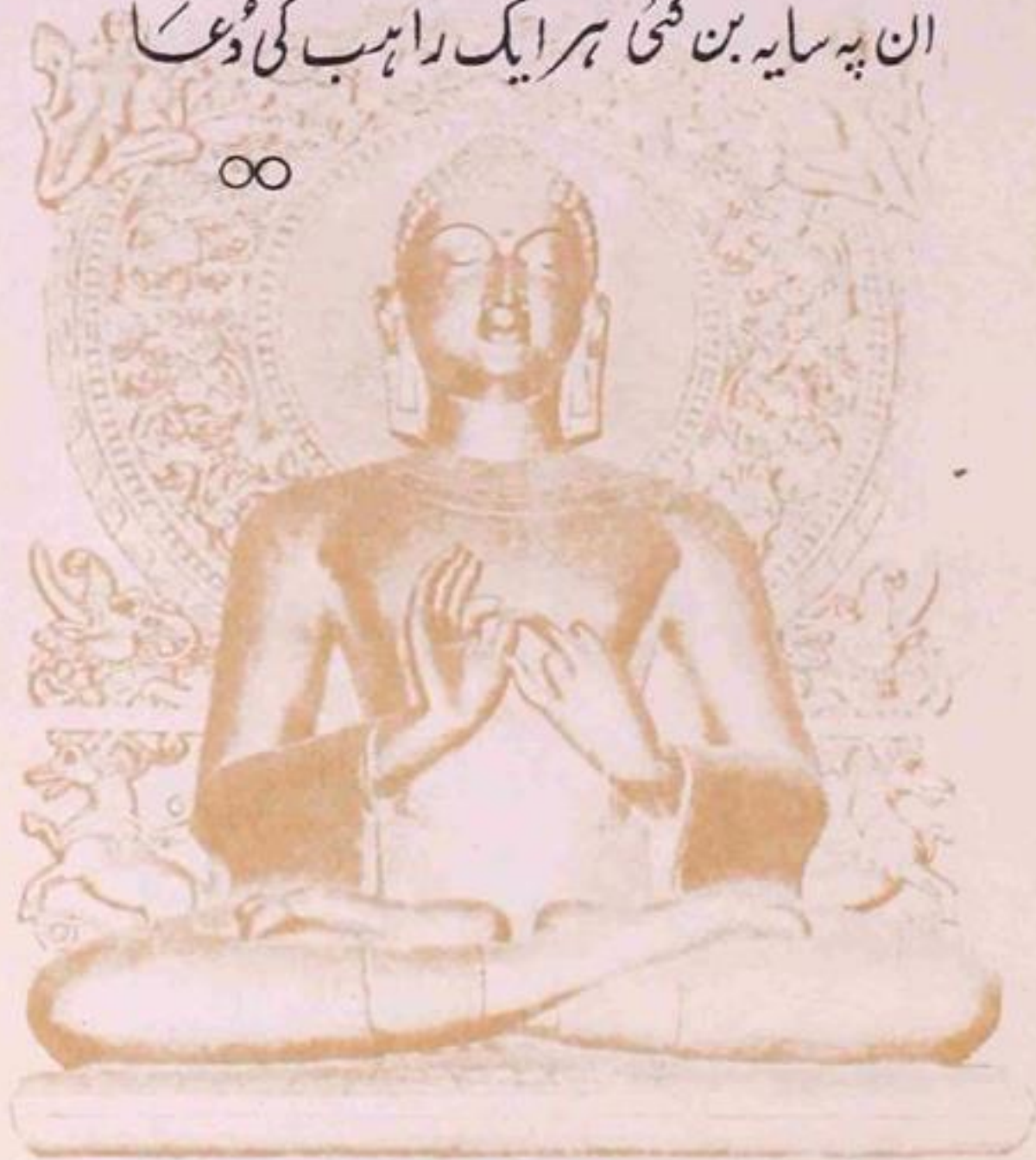
تلاشِ گوتم

ہاں ابھی کل تک جہاں تھی رقص فرما دل کشی
اب وہاں ویرانیاں ہیں ہر طرف بکھری ہوئی
خشک آنکھوں میں اُداسی کی لکیریں مرتعش
وادیٔ دل میں شبِ دیجور کی چادر تنی
زمزمستانوں میں ہیں آہ و بُکا کی یورشیں
مرغزاروں میں بگولے کر رہے ہیں رہزنی
فصلِ گُل پر ہو رہی ہیں تند ژالہ باریاں
شبنمستانوں میں انگارے کرے ہیں سرکشی

ہاں مگر ایسے بھی عالم میں نہ جانے کس طرح
ٹمٹمائی ہے اُمیدوں کے دیے کی روشنی

عالمِ وارفتگی میں یوں پُروہت چل دیے
دل میں ہے پھیلی ہوئی مہرِ یقیں کی روشنی

رُوئے پاکیزہ پہ ہے صبحِ متانت ضوفشاں
برف جیسی کاکلوں سے چھن رہی ہے چاندنی

بُردباری کا خزینہ تابشِ ریشِ حسیں
قشقۂ زرساز نے پائی جبیں پر زندگی

ہاتھ میں ان کے کمنڈل ہے قناعت کا سبُو
سینۂ شفقت پہ ہے رُدراکش کی مالا پڑی

ہیں جلو میں اہلِ دانش کی مقدّس ٹولیاں
یوں متانت سے چلا وہ جلوۂ فرزانگی

جا کے پہنچے بھارگو کے آشرم میں اس طرح
تھی انھیں لمبی مسافت سے کسلمندی بڑی

پھر بھی گوتم کی محبّت تھی دوائے ہر الم
اس لئے دل میں امنگیں بھر رہی تھیں چوکڑی

راہبوں سے جب ملی گوتم کے جانے کی خبر
چل دیے عجلت میں گرچہ چلچلاتی دھوپ تھی

لُو کے جھکڑ چل رہے تھے، سُرخ تھا سارا گگن
پیشوائی کو بگولوں کی قطاریں تھیں کھڑی

خشک پتے چیخ چیخ اُٹھتے تھے پیروں کے تلے
دھول اُڑ اُڑ کر بنی تھی اک رِدائے رہبری

جسم تھے بھیگے ہوئے یوں تو پسینے سے مگر
گرم لُو میں دے گئی ٹھنڈک لباسوں کی نمی

دن ڈھلے پہونچے پروہت ایک بستی کے قریں
شکل اک دیکھی جہاں تھی چھاؤں برگد کی گھنی

غور سے دیکھا تو دل کی دھڑکنیں بڑھنے لگیں
کچھ بڑھے ہی تھے، کلیجے پر چھُری سی چل گئی

تھا کنور فرشِ زمیں پر اس طرح بیٹھا ہوا
سر پہ تھے کاکل بریدہ، خاک تھی ہر سُو جمی

جسمِ نازک اَٹ گیا تھا گرد سے کچھ اِس طرح
بادلوں سے چاندنی جیسے ہو گہنائی ہوئی

دَوڑ کر گوتم کو باہوں میں پُروہت نے بھرا
قید اشکوں کی لڑی میں شورشِ گفتار تھی

جب ذرا ڈھارس ہوئی گوتم سے یوں کہنے لگے
"اے مرے نورِ نظر! یہ راہ کیا تو نے چُنی؟

آنسوؤں کی شکل میں شہ گھُل رہے ہیں دن بدن
دھڑکنوں کے ساز میں اب ہو چلی ہے ابتری

شاہ نے اس حال میں بھی جو کہا ہے وہ سُنو!
تم پہ صدقے راحتیں، تم پر تصدّق ہر خوشی

گامزن ہو راہِ حق پر جانتا ہوں میں مگر
چادرِ رہبانیت، ناوقت یہ کیوں اوڑھ لی؟

جل رہا ہوں، آتشِ غم سے سکوں ملتا نہیں
اس لئے بیٹے مرے! اب لوٹ آؤ جلد ہی

جو ہوا اچھا ہوا لیکن جدائی شاق ہے
اب ترے ہاتھوں میں ہے میری پریشاں زندگی

منتظر آسائشیں ہیں لوٹ آ، پیارے مرے
وقت پر بن باس لینے میں نہیں مشکل کوئی

جا رہا ہے موت کے منہ میں پدر تیرا، پسر!
زیب یوں دیتی نہیں ہے خود فراموشی تری

صرف جنگل میں نہیں ملتا صداقت کا جہاں
بستیوں میں بھی ملی ہے سیکڑوں کو روشنی

رہ کے دنیا میں رہے حق پر وہی تو مرد ہے
بزدلی ہے سر بہ سر رہبانیت کی زندگی

سیتن جت، رام و یودھشٹر، کرشن اور راجہ جنک
شاہ تو سب تھے مگر تھے حق پرستی کے دھنی

اس لئے بیٹے مرے! آ اور تاج و تخت لے
میں کروں صحرا نوردی، عمر ہے میری یہی

شاہ کے لفظوں میں کتنا کرب ہے نورِ نظر!
کِس قدر ہے انکساری، عاجزی، بے چارگی

تم کو لازم ہے کرو تعظیم اِن جذبات کی
اب تمھارے ہاتھ میں گویا ہے شہ کی زندگی

کیا رہِ اسلاف ہے؟ معلوم تو ہوگا تمھیں
جذبۂ بھیشم[21] پِتامہ، رام[22] کی وہ آگہی

اس لئے تم بھی پدر کی شادمانی کے لئے
بھُول بھی جاؤ کہ جو دل نے تمھارے ٹھان لی

اب وہی ماں، ایک ٹوٹی ناؤ ہے منجدھار میں
جس کے آنچل نے تمھیں بخشی ہمیشہ تازگی

وہ کہ جس سے روشنی پائے شبستانِ وفا
ہے اسی گوپا کی اک اک سانس تیرے کی اَنی

سہہ سکے گا کس طرح گرمی تمھارے ہجر کی؟
وہ ہری کونپل سا راہُل، پھُول کی اک پنکھڑی

جو بہ ہر لمحہ تمہارے پاؤں پر چھپتا رہا
اس اُدائی سے خفا سی ہو گئی زندہ دلی

جو تمہارے نام پر ہنستی رہی شام و سحر
وہ کپِل وستو، کہ ہے اک وادیٔ افسردگی

سب تمہاری دید کے مشتاق ہیں پیارے کنور!
اس لئے ضد چھوڑ دو واپس چلو گھر کو ابھی"

احتراماً نرم لہجے میں کنور گویا ہوئے
اللہ اللہ وہ متانت اور وہ شائستگی

"شاہ کی شفقت سے کب انکار ہے مجھ کو بھلا
تھی ہمیشہ ہر گھڑی پیشِ نظر، میری خوشی

پھر بھی ان کو چھوڑ کر میں آگیا ہوں، اسلئے
تاکہ میں سب کے لئے ڈھونڈوں سرورِ دائمی

پاؤں میرے عین فطرت پر ہوئے ہیں گامزن
یہ جدائی ہے کمالِ اتصالِ عنصری

وادیاں نافہمیوں کی ہیں یہاں وجہِ الم
پھر بھلا شہ کو ہوا آزار کیوں مجھ سے کوئی؟

ہر بشر ہے اک مُسافر کی طرح اس دہر میں
اس لئے احباب کی خاطر عبث ہے بے کلی

گھات میں ہے موت ہر دم، جبکہ یہ معلوم ہے
پھر بھلا، ناوقت ہے کیوں دشت پیمائی مری

اپنی جانب کھینچتا ہے دہر کو ہر دم زماں
کون جانے؟ کب ملے صبحِ نجاتِ زندگی

حبِّ عنصر، شیوہُ کم ظرف و کم ادراک ہے
ظلم واستبداد و نخوت اس سے ہوتے ہیں جری

شاہ کے لُطف و کرم کی قدر کرتا ہوں مگر
میرے دل میں اب حکومت کی نہیں خواہش کوئی

جن شہنشاہوں کے بارے میں بتایا آپ نے
زندگی کی شام ان کی جنگلوں ہی میں کٹی

بہرِ حق صحرا نوردی ہے کمالِ جستجو
لوٹ کر گھر کو چلوں، یہ عہد شکنی ہے بڑی

جاہ و حشمت کے سبھی طوق و سلاسل توڑ کر
پھر انھیں سے باندھ لوں خود کو نہ ہوگا یہ کبھی"

تھم گئے تھے لو کے جھونکے، چھا گئی تھیں بدلیاں
نرم پروا سے فضا میں آگئی تھی تازگی

آم کے کچے پھلوں پر ٹوٹ کر طوطے گرے
دھوپ، اُڑتے بادلوں میں لگ رہی تھی چاندنی

اور پھر دانا پروہت اس طرح کہنے لگے
"ہوگئی ہے اے پسر! تم کو غلط فہمی بڑی

فیصلہ تم نے کیا جو حق بجانب ہے مگر
ہو عمل پیرا ابھی اس پر، یہ نہیں اس کی گھڑی

کیا کرو گے تم صداقت کا جہاں لے کر کنور
اپنے بوڑھے باپ کو دے کر کبیدہ خاطری ؟

ایسی کچّی عمر میں ترکِ جہاں بے سُود ہے
تم نے حاضر کو نہ دیکھا غیب کو ترجیح دی

کچھ تناسُخ پر یقیں کرتے ہیں کچھ کرتے گماں
ایسے عالم میں جو حاصل ہے غنیمت ہے وہی

قائلِ عقبیٰ نہ سمجھے آفرینش کا سبب
خلدِ نادیدہ کی خاطر، وقف ان کی ہر خوشی

نیک و بد، مرگ و الم کو امرِ فطرت جان کر
لوگ ایسے بھی ہیں جو کرتے نہیں کوشش کوئی

آگ پانی سے بجھے پانی فنا ہو آگ سے
کھُل گیا سب راز یہ، فطرت کی ہے جادوگری

کچھ تو کہتے ہیں خدا ہے وجہِ تخلیقِ جہاں
بزمِ عالم ہے اسی کے حُسنِ قدرت سے سجی

نیستی ہو یا کہ ہستی، ہے اسی پر منحصر
اس لئے اس کے کرم سے ہے نجاتِ زندگی

گردشِ افلاک بھی اس کے اشاروں کی اسیر
اس لئے بیکار ہیں سب کوششیں انسان کی

ہاں مگر پیارے کنور! یہ بات میری بھی سُنو
گر سلف کے کام آجائے ہماری زندگی

خلقت و احباب کی خدمت کا جذبہ ہو اگر
اپنے ہاتھوں میں رہے گی دائمی آسودگی

اس لئے بیٹے! مناسب ہے یہی واپس چلو
ہاں! یہی دانش وری ہے، ہاں یہی فرزانگی

کچھ تردُّد گر تمہیں صحرا سے گھر جانے میں ہے
یہ تمہاری سوچ ہے دراصل گھنائی ہوئی

دشت سے اپنے نگر آئے تھے راجہ امبریش
رام نے صحرا سے آکر اہلِ دُنیا کی سُنی

وہ صداقت کے دھنی گھر لوٹ آئے دشت سے
ہے تمہارے لوٹ چلنے میں. بُرائی کون سی؟"

یہ دلائل سُن کے گوتمؔ اس طرح گویا ہوئے
نیستی ہو یا کہ ہستی، ہیں تیقّن سے بَری

اس لئے پیہم ریاضت سے ملے گا جو مجھے
بس وہی ہو گا مری خاطر بنائے ہر خوشی

جو تشکّک سے بھرے ہوں اُن خیالوں سے بھلا
ذہن کو میرے ملے گی کس طرح آسُودگی؟

رامؔ کی تقلید میرے واسطے کافی نہیں
گرچہ اُن کی شخصیت میں ہے بہت ہی دلکشی

اس لئے اے آفتابِ خاورِ علم و ہُنر
لَوٹنا میرے لئے ممکن نہیں ہو گا ابھی

کہکشاں مٹ جائے یا سُورج بھی ہو جائے فنا
چاند ہو معدوم یا پربت اُڑیں بن کر رُوئی

پھر بھی تشنہ کام گھر واپس نہیں جاؤں گا میں
چاہے مٹ جائے تلاشِ حق میں اپنی زندگی"

اور یہ کہہ کر کنور پھر بے نیازانہ اُٹھے
چل دیئے اک سمت، پُروائی ابھی تھی بہہ رہی

داہنے گوتم کے، جوڑے نیل کنٹھوں کے اُڑے
سامنے قوسِ قزح کی چونری لہرا گئی

پشت پر گریاں پُروہت ہاتھ ملتے رہ گئے
اشک افشاں انکھڑیوں میں چھا گئی تھی تیرگی

دُور تک چلتے رہے پیچھے کسی اُمّید پر
ہاتھ ان کے آخرش بس نااُمیدی ہی لگی

وہ تو مجبوراً رُکے، بڑھتا رہا آگے کنور
اشک میں ڈوبی دُعا، اس کی محافظ بن گئی

سانس کھینچی اک، پُروہت نے بڑے ہی کرب سے
کر رہی تھی گردشِ پرکار، ناوک افگنی

بے رُخی گوتم کی، دل برما رہی تھی اک طرف
دوسری جانب تھی راجہ کے لئے شرمندگی

دیکھ کر گوتم کی جانب، آنسوؤں کو پونچھ کر،
دفعتاً دو جاں نثاروں کو وہیں آواز دی

یہ کہا ان سے "بھروسا ہے مجھے تم پر بہت
اپنے گوتم کے تعاقب میں روانہ ہو ابھی

دُور ہی رہ کر کنور کے حال پر رکھنا نظر
بھیجتے رہنا خبر اس کی ہمارے پاس بھی"

جب رَوانہ ہو گئے جاں باز دونوں اس طرف
چل دیئے واپس پُروہت، شام تھی ہونے لگی

بادِ مغرب چل پڑی، چپ ہو گئیں پُروائیاں
چھٹ گئے بادل، سنہری دُھوپ تھی بکھری ہوئی

پر فشاں تھی دور نالے پر ٹٹھری کی صدا
ریوڑوں کی دُھول اک جانب فضا میں اُڑ چلی

چھُپ گیا سُورج، تھکا ہارا شفق کی گود میں
ماں کے آنچل میں چھپا ہو جس طرح بچّہ کوئی

آمدِ بمبسار

انجمن در انجمن رنگِ طرب یوں چھا گیا
کیف کی انگنائیوں میں ہر نفس ہنسنے لگا

ہر نظر تازہ مناظر کے فسوں میں کھو گئی
دلولوں کا سلسلہ ہر دل میں ہے پھیلا ہوا

کیوں نہ ہو جب سر خوشی ہے یوں کمر باندھے ہوئے
آبلہ پا کوئی نکلا ہے غزل گاتا ہوا

خارزاروں کی صفیں اس کے ہوئے کھِل گئیں
اور ویرانوں میں ہے چھایا ہوا اک نور سا

بربطوں کے نغمۂ شیریں اُڑے ہیں چار سُو
مشک افشانی ہوئی یوں ہنس پڑی ساری فضا

رقص میں ہے صبح کی اجلی کرن ہر گام پر

اک مسافر اک طرف ہے پا برہنہ جا رہا

کانس کے اجلے دوپٹے ہیں زمیں پر موجزن

پھول کے پیڑوں سے ہے اٹھکھیلیاں کرتی ہوا

کچھ بڑھے گوتم، سنبھالو کی کھڑی تھیں جھاڑیاں

ان سے آگے تھا گھنیری سرپتوں کا سلسلہ

جس میں پھیلے تھے نشیمن پھدکیوں کے چار سُو

بن رہے تھے آشیاں، سارے ببولوں پر، بیا

ایک نالا آگیا پھر، گوند جس میں تھی اُگی

گھونگھیوں کا ہر قدم پر تھا وہاں اک جال سا

جن پہ رکھ کر پاؤں گوتم چل رہے تھے دم بہ دم

جا بہ جا تلووں سے ان کے خون تھا رسنے لگا

چہرہ انور پہ تھا پھر بھی سکونِ دلنشیں

دیکھ کر جس کو جبینیں گھس رہے تھے دیوتا

اور کچھ آگے بڑھے گوتم تو ان کے سامنے
جھاؤ کا اک سلسلہ تھا ریت پر پھیلا ہوا

دُور تک چلتے رہے آخر بہ فیضِ آگہی
رفتہ رفتہ رُودِ گنگا کا کنارا آگیا

پار جانا تھا مگر کشتی نہ دیکھی جب کوئی
جست لی دریا میں لے کر اِک تبسّم کی ردا

نیل گوں آکاش میں مہتاب ہو جیسے رواں
اپنے چاروں سمت گوہر پاشیاں کرتا ہوا

تیرتے جاتے تھے گوتم اس حسیں انداز سے
دستِ دریا سے قطرہ قطرہ بن گیا تھا بادلہ

اُن پہ صدقے ہو رہی تھی موجِ دریا صف بہ صف
تک رہی تھی راستہ صدیوں سے جو سدھارتھ کا

الغرض جب اس ندی کے پار گوتم آگئے
یک بہ یک دریا خوشی کے آنسوؤں سے بھر گیا

اور پاکیزہ ہوا جب قُربتِ گوتم ملی
یوں نئی سرمستیوں کے ساتھ وہ بہنے لگا

ریت پر بھیگے ہوئے گوتم کھڑے تھے جس طرح
برف کے اُجلے سمندر پر ہمالہ ہو کھڑا

سامنے دیکھا تو پربت پانچ آتے تھے نظر
درمیاں ان کے درخشاں راج گرِہ کا شہر تھا

جال کاندھوں پر دھرے مچھوے مگن بر روئے آب
کشتیوں کا قافلہ دریا میں تھا بہتا ہوا

شاہرہ کی سمت گوتم چل دیے اس حال میں
ان پہ صدقے ہو رہا تھا راہ میں جو بھی ملا

آگیا جب راج پتھ پر وہ شکوہِ کاملاں
ہر بشر اس کی اداؤں پر نچھاور ہو گیا

تھا اگرچہ نازشِ بزمِ شہاں وہ خوبرُو،
جسم پر اس کے، مگر درویش کا ملبوس تھا

وہ جبیں، وہ دست وپا، وہ چشم، وہ چتون حسیں
مل رہی تھی جس سے ٹھنڈک ہر نظر کو برملا

مَردوزن سب چل رہے تھے پیچھے پیچھے صف بہ صف
احتراماً راستہ ہر اک نے خالی کر دیا

دیکھ کر اپنے محل سے ان کو راجہ بمبسار
چونک اُٹھا حیرتوں کی وادیوں میں کھو گیا

اک مصاحب سے کہا دیکھو یہ جاکر کون ہے؟
نقرئی ہالہ ہے جس کے ہر طرف ہنستا ہوا

بھوک گوتم کو لگی تھی، ہو چکی تھی دوپہر
بھیک لینے کے لئے کشکول ہاتھوں میں لیا

انکساری نے لیے مہمان کے ایسے قدم
میرے گھر چلئے! گذارش ہر نفس کرنے لگا

شکریہ ہر ایک کا کرتے ہوئے، بڑھتے ہوئے
اُس جگہ پہونچے جہاں تھا اک شکستہ جھونپڑا

منتظر تھی جس کے در پر اک ضعیفہ خم بہ خم
دیکھ کر گوتم کو اس کے دل میں جاگی مامتا

بھاگ کر اندر گئی لائی چنے کی روٹیاں!
بھر دیا کشکول ہونٹوں پر لئے لاکھوں دُعا

سر جھکا کر اس کے قدموں پر کنور واپس ہوئے
اور ہر جانب سے اُٹھی اک صدائے مرحبا

دامنِ کہسار میں جھرنے کی جانب چل دیئے
ہو چکے سیراب تو چلّو سے پانی پی لیا

اللہ اللہ وہ قناعت کی درخشاں منزلیں
جن پہ صدقے جاہ و ثروت کا جہانِ بے بہا

چڑھ گئے پھر پانڈو پربت پہ گوتم اس طرح
صبح دم دھولاگری پر جیسے سورج ہو اُگا

لودھ کے پیڑوں سے تھا پربت مزیّن نو بہ نو
مور جن کی چھاؤں میں تھے جا بہ جا نغمہ سرا

دیکھ کر یہ سب مصاحب نے بتایا شاہ سے
ابنِ شُدّھودن ہے یہ بیراگ اس نے لے لیا

نیک خواہاں تھے کپل وستو کے راجہ بمبسار
سُن کے یہ اُن کے جگر میں تیر سا آکر لگا

وہ بہ صد عجلت چلے گوتم کی جانب بے قرار
اور جا پہونچے جہاں پر تھا کنور بیٹھا ہوا

اُس کے رُخ پر تھے محبت کے اُجالے ہنس رہے
اُس کی قربت میں ہر اک ذرّے سے پھوٹی تھی ضیا

دست و پا آسائشوں کی گود کے پالے ہوئے
گورا گورا جسم، لُو سے ہو چلا تھا سانولا

شہ کی آنکھیں ہو گئیں نمناک، فرمانے لگے
"آپ نے اس مملکت کو بخش دی ہے اک جلا

آپ کے دیدار سے ہر آنکھ میں ہے تازگی
ہر گلی نے اوڑھ لی ہے شادمانی کی رِدا

ہاں مگر یہ راز کیا ہے؟ اے شکوہِ کشوری!
جامۂ درویش کیوں ہے آپ کے تن پر پڑا؟

ہوں تصدّق آپ پر عیش و نشاطِ زندگی
آپ کا یہ ہاتھ پھیلانا نہیں ہرگز بجا

آپ کے سِن پر نچھاور ہو خیابانِ نعیم
بے سر و سامان پھرنے کا سبب ہے کون سا؟

خاندانِ[24] مہر کی تابانیوں کے فیض سے
راحتیں ہوتی رہی ہیں آپ پر ہر دم فدا

ہاں وراثت کی حکومت سے ہو بیزاری اگر
سلطنت آدھی مری، ہے آپ کو دیتی صدا

گر انا کے بوجھ سے انکار ہے کچھ آپ کو
راج کوئی جیتیے، خود لیجیے لشکر مرا

کر رہا ہوں میں کوئی احسان، یہ مت سوچیے
آپ کے کچھ کام آؤں، بس یہی ہے مدّعا

دَولتِ عیش و نعِم سب آپ پر قربان ہیں
تاج و تخت و سروری سب تک رہے ہیں راستہ

دیکھ کر یوں آپ کو درویش کے ملبوس میں
ایک میں کیا، جس نے دیکھا ہے اسے صدمہ ہوا"

کنج سے گزری ہوائیں ٹھمریاں گاتی ہوئی
ذرّہ ذرّہ تھا خوشی کے رنگ میں ڈوبا ہوا

سُن کے راجہ کی نصیحت، یوں کنور گویا ہوئے
انکساری کا چمن تازہ گلوں سے بھر گیا

"اے شہنشاہِ جہانِ بُردباری و کرم!
آپ کی باتوں پہ حیرت ہے نہیں مجھ کو ذرا

یاد ہے وہ، جو تعاون تنگ دستی میں کرے
ساتھ دیتے ہیں سبھی ہر وقت دَولت مند کا

آپ کی ساری کرم فرمائیوں کا شکریہ
غور سے سُنیے اُسے جو کر رہا ہوں التجا

مرگ و بیماری سے ڈر کر جستجوئے صدق میں
اپنا سب کچھ چھوڑ کر میں ایک راہب بن گیا

خوف کچھ مجھ کو نہیں ہے گردشِ افلاک سے
ہے نہ ڈر مجھ کو درندوں کا نہ ڈر حشرات کا

میں پریشاں ہوں اگر تو خواہشاتِ نفس سے
جن کے پنجوں میں ہر اک انسان ہے بے دست و پا

علم ظاہر اور پُر اسرار کرتا ہے اِنھیں
خود فریبی میں جسے دیکھو وہی ڈوبا ہوا

خلد میں بھی نفس کے مارے نہ ہوں گے مطمئن
اس جہاں میں خوش رہیں گے کس طرح وہ پھر بھلا؟

چار جانب ہیں سرابوں کے اندھیرے خیمہ زن
خواہشوں کی آندھیوں پر کب یہاں قابو ملا؟

گر رہے ہیں سیکڑوں دریا سمندر میں مگر
تشنگی اس کی بجھی کب؟ کیا کسی سے ہے چھپا

بارشِ زر بھی ہوئی، کتنے ممالک بھی ملے
ماندھاتا کو سکوں، پھر بھی نہیں کچھ مل سکا

خلد پاکر بھی نہش نا مطمئن تھا، اس لئے
پالکی رِشیوں سے اُٹھوا کر زمیں پر گر پڑا

اُروشی کو جیت کر بھی تھا پُرورَوا فکر میں
حرص میں اس نے جہانِ پُر سکوں بھی کھو دیا

جبکہ روشن ہے کہ خواہش مٹ نہیں سکتی کبھی
کس طرح ہو ملتفت اس پر بھلا یہ دل مرا؟

خواہشیں، لذت ہے کم جن میں، زیادہ کرب ہے
جن میں سیری کچھ نہیں، جن کا تقرب زہر سا

خواہشیں، جو مزرعِ آفات ہیں ہر گام پر
جن سے حاصل کچھ نہیں ہے فصلِ کلفت کے سوا

خواہشیں، ملتی ہے جن سے فربہی بس طمع کو
جن سے کوسوں دُور اطمینان کا ہے راستا

خواہشیں، جن کا ثمر ہیں عارضی خوشیاں یہاں
خواہشیں، عشّاق سے اپنے جو کرتی ہیں دغا

خواہشیں، چشم زدن میں کوروؤں کو کھا گئیں
اور راون کو دیا لمحوں میں ان سب نے مٹا

خواہشیں، پابندئ اخلاق سے آزاد ہیں
خواہشیں، رکھتی نہیں ہیں جو کوئی بھی ضابطہ

خواہشیں، غیروں پہ جو کرتی ہیں الطاف و کرم
خواہشیں، اپنوں پہ جو برسائیں شعلوں کی گھٹا

خواہشیں، یک رنگ فطرت جو نہیں رکھتیں کبھی
موسموں کے ساتھ ان کے رنگ ہوتے ہیں جُدا

جسم کو دیتی ہے ٹھنڈک گرمیوں میں چاندنی
موسم سرما میں لیکن کب سکوں اس نے دیا

اس طرح سُود و زیاں پہلو بہ پہلو ہیں یہاں
اس لیئے درد و خوشی کو مانتا ہوں ایک سا

حکمرانی اور محکومی ہیں میرے سامنے
ایک ہی سکّے کے دو پہلو کی صُورت برملا

یہ حقیقت ہے کہ ہر دم حکمراں ہنستا نہیں
یہ بھی سچ ہے نالہ زن رہتا نہیں ہر پَل گدا

چند اشیائے ضروری کے سوا اس دہر میں
حکمراں کچھ اور گر چاہے، تو ہے حرص و ہَوا

اس لئے میں مسلکِ علم و یقیں کو چھوڑ کر
خواہشوں کے دشت میں لوٹوں، نہیں ہوگا شہا!

آپ ہیں میرے کرم فرما، گذارش ہے یہی
عہد پر اپنے رہوں قائم، یہی دیجے دُعا

میری خواہش ہے کہ میں آلار سے جا کر ملوں
اس لئے اب آپ سے میں ہوں اجازت چاہتا

راج کی، خود کی، اصُولوں کی حفاظت کیجئے
آپ پر ہو بارشِ الطاف، ہر صُبح و مسا"

سُن کے یہ پُرمغز و پُر افکار باتیں بمبسار
ہو گیا خاموش اور حیران و ششدر رہ گیا

چند لمحوں بعد جب وہ ہو گیا کچھ پُر سکوں
شاہ نے بادیدۂ تر دست و بستہ یوں کہا:

"دل میں ہے محکم ارادہ آپ کے جب اے کنور!
آپ سے اب دُور کیا ہے وادیٔ صدق و صفا

بس گذارش ہے یہی جب آپ کو منزل ملے
لوٹ کر آئیں یہاں، یہ آخری ہے التجا"

یوں متانت سے کنور بولے کہ "اے فخرِ شہاں!
کامرانی کا چمن مجھ کو اگر مِل جائے گا،

مطمئن رہیے کہ آؤں گا یہاں پھر لوٹ کر
فرحتوں کا سائباں، ہر ایک پَل ہو آپ کا

سہ پہر کی دُھوپ میں گھلنے لگی تھیں نرمیاں
سُرخ چہرا آسماں کا سانولا ہونے لگا

یک بہ یک باہر نِکل کر چار سُو اُڑنے لگے
شاخساروں میں چھپے تھے جو پرندے خوش نوا

سبز پتے پھڑپھڑا اُٹھتے تھے جھونکوں کے سبب
کروٹیں لینے لگی تھی رسمساتی سی فضا

اُٹھ پڑے گوتم اُتر کر کوہ سے آگے بڑھے
اور راجہ تھا عقب میں خامشی سے چل رہا

شہر نے پلکیں بچھا دیں بھر کنور کی راہ میں
ہر نظر سلکِ گہر تھی، ہر نفس تھا دو رہا

آنسوؤں کی چھاؤں میں، میٹھی دعاؤں کے تلے
جا رہا تھا ایک جوگی اک طرف ہنستا ہوا!

○○

صحبتِ سالکان

عشق کی پُرپیچ راہوں کے دہکتے سلسلے
جذبۂ دیوانگی میں ہیں شرارے بھر رہے
جنبشِ پا میں ہزاروں بجلیاں ہیں رقص میں
وادیٔ دل میں ہر اک پل آ رہے ہیں زلزلے
پتلیوں میں ہیں تجسّس کی انوکھی ہلچلیں
آتشیں گجرے رگِ انفاس سے پہنے ہوئے
حشر سامانی لیے ہیں ذہن کی پہنائیاں
اپنی دُھن میں رات دن گوتم یونہی چلتے رہے

آشرمِ آلار کا بس چند فرسخ دُور تھا
اک گھنے جنگل سے ہو کر جا رہے تھے دن چڑھے

سرمئی بادل فضا میں چھا گئے تھے ہر طرف
چھاؤں میں اُونچے درختوں کے اندھیرے تھے گھنے

بادلوں کی اوٹ میں سُورج کہیں روپوش تھا
خامشی کی چادریں اوڑھے ہوئے اشجار تھے

تلملاہٹ بجلیوں کی ہو رہی تھی دم بہ دم
رعد کی چیخوں سے اہلِ دشت تھے سہمے ہوئے

ٹہنیاں پیڑوں کی کٹ کٹ کر گریں ہر گام پر
برق افشانی ہوئی یوں، اس قدر اولے گرے

اک بلائے ناگہانی اور بھی آکر گری
آندھیوں کے تیز جھونکے یک بہ یک آنے لگے

عرصۂ شور و شغب تھا یا قیامت کا سماں
چوٹ کھا کھا کر پرندے ان گنت گرنے لگے

خود کنور بھی تھے بہت زخمی، مگر تھے مطمئن
موت کا یہ رقص دیکھا تو پریشاں ہو گئے

دل میں جو شعلے لپکتے تھے، بڑھے وہ اس قدر
دیدۂ گلنار میں آ کر سرِ شکستاں ہوئے

ایک اِملی کے گھنے سائے میں تھے جلوہ فگن
جسم و جاں دونوں پہ گوتم زخم یوں کھاتے رہے

رفتہ رفتہ سارے بادل چھٹ گئے، آندھی رُکی
جگمگایا چرخ پر سورج، کنور پھر چل دیئے

چار جانب سر بریدہ پیڑ آتے تھے نظر
کپکپاتی سی فضا کے تن بدن شفاف تھے

آشرم میں الغرض جس دم کنور داخل ہوئے
تھک گئے تھے پر لبوں کے پھول تھے ہنستے ہوئے

مضطرب آلار تھے یہ حالِ گوتم دیکھ کر
ان کو پہلے سے خبر تھی وہ وہاں بھی آئیں گے

ان کو ہاتھوں ہاتھ لے کر پرسشِ احوال کی
خاطریں کیں ہر طرح اس مردِ حق آگاہ نے

دن ڈھلے آلار، گوتم سے ہوئے یوں ہم کلام
چاندنی جیسے کنول کے پھول سے باتیں کرے

"اے جہانِ آگہی کے آفتابِ دلنشیں
جل رہے ہیں آپ سے فہم و فراست کے دیئے

آپ نے اس کمسنی میں چھوڑ کر ناز و نعم
طرزِ نو ایجاد کی ہے اہلِ گیتی کے لئے

وہ بصیرت وہ فضیلت آپ میں پاتا ہوں میں
جس میں ضم ہو جائے گا جو علم حاصل ہے مجھے

آپ کی آنکھوں میں ہے وہ حسنِ عرفاں موجزن
امتحاں کی بات سے بھی شرم آتی ہے مجھے"

کھِل گیا چہرا کنور کا دل شگفتہ ہو گیا
احتراماً اس طرح آلار سے گویا ہوئے

"اے امینِ دولتِ آگاہی و اسرارِ حق
بالیقیں اب آپ ہیں اک ناخدا میرے لئے

اسلئے وہ علم کیجے آپ اب مجھ کو عطا
دُور ہوں بیماری و مرگ و ضعیفی دہر سے"

خوش ہوئے آلار، اجمالاً، ہوئے یوں ہم کلام
"غور سے سُنیئے کہ اب جو عرض کرنا ہے مجھے
نظمِ فطرت، مرگ، پیری، رنج و غم، زائیدگی
علّتیں ہستی کی ہیں اس کو حقیقت جانیئے

وجہِ فطرت ہاں! فقط عقل و تکبّر میں یہاں
لوگ تو گم گردہ رہ اِن کے دم سے ہو گئے
نفسِ امّارہ، زبان و قلب، دست و پائے شوق
آدمی کو خواہشوں کی راہ پر ہیں ڈالتے

جو حیات و موت سے گزرے وہی تو ہے شہود
ان سے ہو کر جو نہ گزرے، غیب اس کو جانیئے
خواہش و لاعلمی و اعمال ہیں وجہِ الم
آگیا جو اِن کے پنجوں میں بھلا کیوں خوش رہے؟

"بولتا ہوں، جانتا ہوں" یہ جسے احساس ہے
بالیقیں اس میں تکبّر کے اندھیرے ہیں بھرے

مختلف جذبات کو یکساں سمجھتے ہیں جو لوگ
وہ سبھی، ہر لحظہ رہتے ہیں تشکک میں پڑے

کاہلی، میلانِ جنسی، مرگ و تولیدِ حیات
وجہِ لاعلمی، یہی چاروں ہمیشہ سے رہے

رُوح، لاعلمی کی تاریکی میں یوں رہتی ہوئی
جانے کتنے قالبوں میں ہے گزرتی دہر سے

بس اسی پل رُوح نے پائی نجاتِ زندگی
جبکہ اس پر بھی شہُود و غیب روشن ہو گئے

اس لئے جو چاہتے ہیں رستگاری اے کنور!
برہم چاری کی روش ہے معتبر ان کے لئے"

سُن کے یہ بولے کنور "اے معدنِ علم و یقیں!
کیا رَوِش ہے برہم چاری کی مجھے بتلایئے"

چہرۂ انوار پر تھا اک تبسّم ضو فشاں
دو پلوں کے بعد گوتم سے وہ یوں کہنے لگے

"چھوڑ کر گھر بار اپنا جو گداگر ہو گیا
جو بہ ہر لمحہ لڑا اس طور اپنے نفس سے

جو بہ ہر صورت قناعت کے اصولوں پر چلا
طے کئے تنہائیوں میں ذکرِ حق کے مرحلے

جس نے پاکیزہ خیالوں کو سجایا قلب میں
اور متبرک صحیفوں کو پڑھا ہے غور سے

ہر قدم جس کا اُٹھا ہے پاکبازی کی طرف
جس کے دل میں ہے مروّت اہلِ دُنیا کے لئے

اپنے ہر اک فعل کا جو خود محاسب ہو گیا
حرص یا غیظ و غضب جس سے نہیں ٹکرا سکے

اور جو دل کی حضوری کے مزے بھی پا گیا
درحقیقت اس نے پائے عافیت کے سلسلے

انگنت مردانِ حق، چلتے ہوئے اس راہ پر
بندشِ دامِ تناسخ سے رہائی پا گئے

اس لئے اس راہ سے گر مطمئن ہوں آپ بھی
ہوں مُبارک آپ کو اس کے انوکھے تجربے"

جیسے بارش کا اثر کیلے کے پتوں پر نہ ہو
قلبِ گوتم پر یوں ہی آلار کے الفاظ تھے

یوں ہوئے گویا کہ "اے فخرِ جہانِ راستی!
اُس سے میں نا مطمئن ہوں جو سُنا ہے آپ سے

یوں شہُود و غیب سے آزاد ہو کر زندگی
ڈھونڈ ہی لے گی سکونِ جاوداں، شک ہے مجھے

ترک کرنا خواہش و لاعلمی و اعمال کا!
یہ کبھی ممکن نہیں ہے رُوح کے رہتے ہوئے

وصف اور موصوف دونوں کس طرح ہونگے جُدا
دُور ہوگی کس طرح آخر حرارت آگ سے؟

جسم سے ہو کر بَری، دو صورتیں ہیں رُوح کی
یا تو وہ باعلم ہے یا نابَلد ہے علم سے

ہے اگر باعِلم، تو صیدِ ہوائے علم ہے
کس طرح ممکن ہے پھر آزاد کہہ دیں ہم اُسے

نابَلد ہے عِلم سے گر، ہے وہ بیکار و عبَث
جس طرح بے جان سُوکھے پیڑ کی حالت ہے

اس لئے میں اس عقیدے سے نہیں ہوں مطمئن
طے ابھی کرنے ہیں مجھ کو اور بھی کچھ مرحلے

آپ کے لُطف و کرم کا میں بہت ممنون ہوں
آپ سے بھی روشنی پائی ہے میرے شوق نے

سوئے اُدرک جا رہا ہوں اے ایلِن رامسنی!
گر خطا کوئی ہوئی ہو در گذر فرمائیے"

جھرمٹوں میں بانس کے، پُروائیاں گانے لگیں
تاڑ کے پتّے ہَوا میں قہقہے بھرنے لگے

ایک پگڈنڈی پہ گوتم جا رہے تھے اک طرف
چہرۂ آلام پر تھے شفقتوں کے گُل کِھلے

دشت و کوہستان کی ہر اک صعوبت جھیل کر
آخرش اک دن کنور اُدرک سے بھی جا کر ملے

نا اُمیدی تک رہی تھی اُس جگہ بھی راستہ
اس لیے گوتم رشی گیا کے تقرّب میں گئے

پاس کے ابرِ سیہ پھیلے ہوئے تھے ہر طرف
اس طرح نیرنجنا کے پاس آ کر رُک گئے

جس کے دونوں سمت ہریالی کھڑی تھی صف بہ صف
اور جس میں تھے کئی تودے چٹانوں کے بڑے

جا بہ جا تھی رقص فرما زینتِ نیلوفری!
لہر کی انگڑائیوں سے پھُوٹتے تھے زمزمے

اک سکُوتِ دلنشیں تھا ہر طرف پھیلا ہوا
ہاں پرندوں کے سُہانے بول تھے اس میں گھُلے

قلبِ گوتم اس فضا کی دل کشی میں کھو گیا
چند لمحوں میں کسالت کے اندھیرے چھٹ گئے

طے نہ کر پائے تھے وہ آخر کریں کیا؟ دفعتاً
پانچ درویشوں کا جھرمٹ آگیا اِک سمت سے

دیکھ کر سدّھارتھ اُن کو مسکرائے اس طرح
ہو گئے مبہوت سب، جلووں میں ان کے کھو گئے

اس قدر مرعوب تھے گوتم سے وہ پانچوں رشی
قلب کی گہرائیوں سے ان کے پیرو ہو گئے

تھے کنور گرچہ ریاضت کے مخالف ہر طرح
پر، یہاں وہ جسم کو آزار بھی دینے لگے

چھ برس تک اس قدر گوتم نے کی فاقہ کشی
ہو گئے لاغر بہت اور سوکھ کر کانٹا ہوئے

جا بہ جا گانٹھیں نکل آئی تھیں سارے جسم پر
اونٹ کے پیروں کی صورت اُن کے کولھے ہو گئے

پسلیاں آئیں اُبھر سب خشک لکڑی کی طرح
پشت کے کانٹے بہ ہر صورت نمایاں ہو گئے

اور آنکھیں یوں نظر آنے لگی تھیں، جس طرح
چاہ کی گہرائیوں میں دو ستارے ہوں پڑے

جلد سر کی اس طرح بے آب ہو کر رہ گئی
جیسے کچی لوکیاں مرجھا گئی ہوں دھوپ سے

سڑ چکی تھیں اُن کے تن کے خشک بالوں کی جڑیں
رفعِ حاجت کے لئے جب بھی اُٹھے تو گر پڑے

جسم کی ساری صباحت پر سیاہی چھا گئی
ہاں مگر تھے اُن کے چہرے سے اُجالے چھن رہے

اس ریاضت سے نہ حاصل ہو سکا کچھ بھی انھیں
آخرش اک دن وہ خود سے اس طرح کہنے لگے

"وہ اُداسی کی معیت میں فرازِ دشت میں
کس قدر مسحور کن لمحے تھے جامن کے تلے

دل میں وہ پھیلی ہوئی پُرکیف سی پاکیزگی
رُوح میں اُترے ہوئے مسرُور کن وہ سلسلے

اِس تگ و دَو کی بہ نسبت تھے بہت ہی معتبر
پُرسکوں تھا قلب، چاہے دو پلوں ہی کے لئے

ہاں وہی ادراک ہے دراصل داروئے شفا
منزلیں مِل جائیں گی بے شک اسی کے فیض سے

جسم کو یوں سختیوں میں ڈالنا ہے بے ثمر
اس لئے اُس راہ کو اب ترک کرنا چاہیے"

اور پھر عزمِ مصمّم، قلب میں بھر کر کنوَر
لڑکھڑاتی چال سے نیرنجنا میں آ گئے

کر چکے جب غُسل تن میں تازگی سی بھر گئی!
آ گئے دریا کنارے، بُھوک سے بے حال تھے

جس شجر کے صندلیں سائے میں بیٹھے تھے کنوَر
لوگ اطراف و جوانب کے اُسے تھے پُوجتے

اس لئے نزدیک ہی کے گاؤں کی اک سیم تن
نند بالا، جس کے دل میں کچھ حسیں ارمان تھے

نیک شوہر کی تمنّا دل میں تھی مچلی ہوئی
دیدۂ زرپاش میں پنہاں سُنہرے خواب تھے

نیل گوں ملبوس تھا اس کے درخشاں جسم پر
چمپئی انگوں پہ ناقوسوں کے زیور تھے لدے

کھیر بھر کر طشتِ زرّیں میں چلی آئی وہاں
منتظر اس کے لئے لمحے گہر افشار تھے

دیکھ کر من موہنی صُورت کنوَر کی اس جگہ
نند بالا نے یہ سمجھا دیوتا خوش ہو گئے

پاسِ الطاف و کرم سے خود کو ظاہر ہے کیا
اب ثمروار سب مُرادوں کے شجر ہو جائیں گے

باادب گوتم کے آگے رکھ دیا طشتِ حسیں
سر جھکا کر مڑ گئی دل میں چمک اُٹھے دیے

سیر ہو کر کھیر کھائی مردِ حق نے اک طرف
دوسری جانب مقدّر نندبالا کے جگے

دیکھ کر یہ طرزِ نو گوتم کی، وہ پانچوں رشی
ہو گئے بیزار باہم اس طرح کہنے لگے

"اب کنور کام و دہن کی لذّتوں میں ہیں مگن
ارفع و اعلیٰ مقاصد ہاتھ سے ان کے گئے

ہو کے بے رہ رَو کریں گے رہ نمائی کس طرح
اس لیے اب ساتھ ان کا چھوڑ دینا چاہیے"

ہو گئے اس فیصلے پر متّفق آخر سبھی
ایک جانب خشمگیں ہو کر روانہ ہو گئے

اب معاون تھیں کنور کی ہر طرح تنہائیاں
دل میں تھے خود اعتمادی کے اُجالے ہنس رہے

چہرہ پُر عزم پر تھی استقامت ضوفشاں،
دل ہی دل میں آخرش وہ اس طرح کہنے لگے

"وہ تگ و دو، وہ ریاضت، وہ مشقت وہ لگن
ہے ابھی تک بے ثمر؛ اتنے برس بھی ہو گئے
اس لئے اب میں اٹھوں گا اس جگہ سے بس تبھی
جب مجھے بحرِ صداقت کے گُہر مل جائیں گے"
اور پھر ان پر ہویدا جذب کی حالت ہوئی
سرمدی سرمستیوں کی وادیوں میں کھو گئے
خامشی اوڑھے ہوئے عنبر فشاں ماحول تھا
نرم جھونکے آ رہے تھے لوریاں گاتے ہوئے

○○

اِلقا
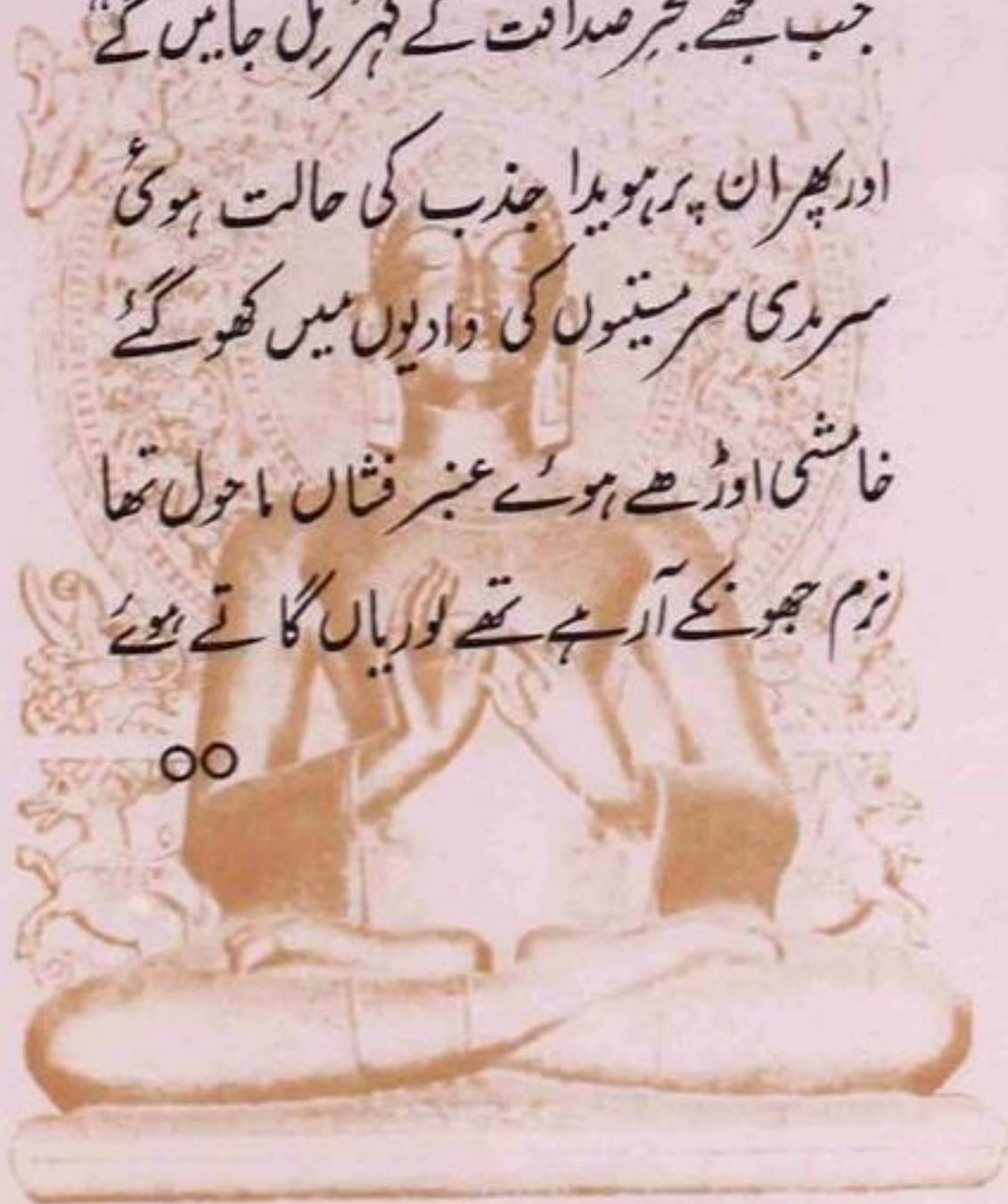
اللہ اللہ سوختہ جانوں کی وہ وارفتگی
پائے استقلال میں جن کے نہیں کوئی کمی

آسماں درآسماں پردے ہزاروں تھے مگر
چیر کر اُن کو نگاہِ جُستجو بڑھتی رہی

دیدنی ہے جذبۂ شوریدہ سر کی ہر تڑپ
رقص میں ہیں جس کی باہوں میں رموزِ آگہی

گردشوں کی قید سے آزاد شوقِ معتبر
دے رہا ہے ہر نظر کو دعوتِ نظّارگی

اب یہیں پر ختم ہیں تاریکیوں کے سلسلے
چار سو ہے روشنی، رخشندگی، تابندگی

فکر کے گہرے سمندر میں کنور تھے غوطہ زن
اک پہر جب رات گزری دل نے یہ آواز دی

یہ جہاں، کیلے کے باطن کی طرح بے جان ہے
چار سو ویرانیاں ہیں دوڑتی پھرتی ہوئی

دو پہر جب رات کے گزرے تو اک تڑکا ہوا
اُن کے باطن میں اُتر آئی انوکھی روشنی

سامنے گریہ کناں اہلِ جہاں آئے نظر
دیکھ کر اُن کو دلِ گوتم میں ہمدردی بڑھی

عاصیوں کی صف عذابوں میں گھری تھی اس طرح
کرب و درد و رنج و غم سے تھی بہت بکھری ہوئی

نیک تھے اعمال جن کے خلد میں تھے وہ مگر
نارِ لذّت سے انھیں بھی تھی بہت آشفتگی

اس عذابِ عیش میں پامال تھے وہ اس قدر
مخلصی کی راہ اُن کے واسطے عنقا ہوئی

اور یوں خلد و جہنم کے سفر میں ہر جگہ
رنج و غم کی قید میں آیا نظر ہر آدمی

نصف شب گزری تو اُن پر راز یہ افشا ہوا
آدمی کونین میں ہے صید رنج دبے بسی

یہ ہزاروں قالبوں میں ہے جنم لیتا مگر
خواہشوں کے دام سے پاتا نہیں ہے مخلصی

چشمِ آدم غرق ہے یکسر ہوائے نفس میں
اس لئے وہ راہِ حق یوں پا نہیں سکتا کبھی

آخرش مرگ و ضعیفی کا سبب ہے کون سا؟
بس اسی نکتے پہ گوتم کی نظر مرکوز تھی

دفعتاً پھر دل میں اُتری اِک سکوں افزا کرن
مرگ و پیری کا سبب تو ہے فقط زائیدگی

وجہِ پیدائش بھلا کیا ہے؟ ہوا معلوم یہ
سلسلہ اعمال کا ہے، علتِ زائیدگی

آفرینش کا سبب جب یوں ہویدا ہوگیا
قلبِ گوتم میں سکوں کی چاندنی ہنسنے لگی

اور پھر آگے تجسّس کے سفینے بڑھ چلے
علّتِ اعمال پر لیکن نظر ٹھہری رہی

مختلف میلان ہیں وجہِ عمل اس دہر میں
یہ حقیقت جان کر پھر وہ نگہ آگے بڑھی

علّتِ میلان ہے خواہش کا بحرِ بے کراں
منکشف اس طور ان پر یہ صداقت بھی ہوئی

علّتِ خواہش ہے کیا؟ ان کو ہوئی پھر جستجو
غم ہے خواہش کی بنا یہ بات بھی واضح ہوئی

علّتِ غم، لمس کی پہنائیوں میں غرق ہے
اور اسے وصلِ حواس و نفس نے دی زندگی

اس جہاں میں لمس کی علّت فقط اجسام ہیں
جان کر یہ، دل میں گوتم کے مسرّت بڑھ چلی

اسمِ و ہیئت، علّتِ اجسام کی صورت میں ہیں
اور ان دونوں کی علّت ہیں شعور و آگہی

جب یہ اسباب و علل یکسر فنا ہو جائینگے
بس اُسی دم ہاتھ آئے گی نجاتِ زندگی

یہ تبھی ممکن ہے جب ہم آٹھ راہوں پر چلیں
جن کی باہنوں میں تھرکتا ہے سرورِ سرمدی

اس طرح لمحہ بہ لمحہ سب اندھیرے چھٹ گئے
قلبِ گوتم بن گیا مہرِ سکونِ دائمی!

صبحِ کاذب کا وہ اک پل، زینتِ باغِ زماں
جس نے بخشی عالمِ انسانیت کو تازگی

جس کے دامن میں ہوئے ہیں بُدّھ، گوتم آخرش
مرحبا! جہدِ مسلسل، مرحبا وہ آگہی

مرحبا! وہ دل نشیں صدق و صفا کی وادیاں
مرحبا! وہ راہِ زرّیں، مرحبا وہ راستی

مرحبا! بے ربطیوں کے شہر کا ربطِ حسیں
مرحبا! بے رہروی کے واسطے وہ رہبری

مرحبا! رامش گری، ٹوٹے دلوں کے واسطے
مرحبا! وہ رقص فرما چارسو دانش وری

مرحبا! دنیائے عنصر کا عروجِ باکمال
مرحبا! بزمِ یقیں کی جگمگاتی روشنی

مرحبا! ہر ایک جانب فرحتوں کے سلسلے
مرحبا! ہر ایک چہرے کے لئے تابندگی

چشم کیا کھولی کنور نے ذرّے ذرّے ہنس پڑے
پتھروں پر بھی سہانی لالہ افشانی ہوئی

اور پھر تقسیم کرنے دولتِ علم و یقیں
اُٹھ پڑے، خلقت انھیں کا راستہ تھی تک رہی

یاد آئے باپ، ماں، اولاد و زن ان کو مگر
تھی فلاحِ خلق کی دل میں لگن مچلی ہوئی

چل پڑے رُخ پر سجائے رحم کی تابانیاں
راحتوں کی انجمن اُن کے جلو میں ہو گئی
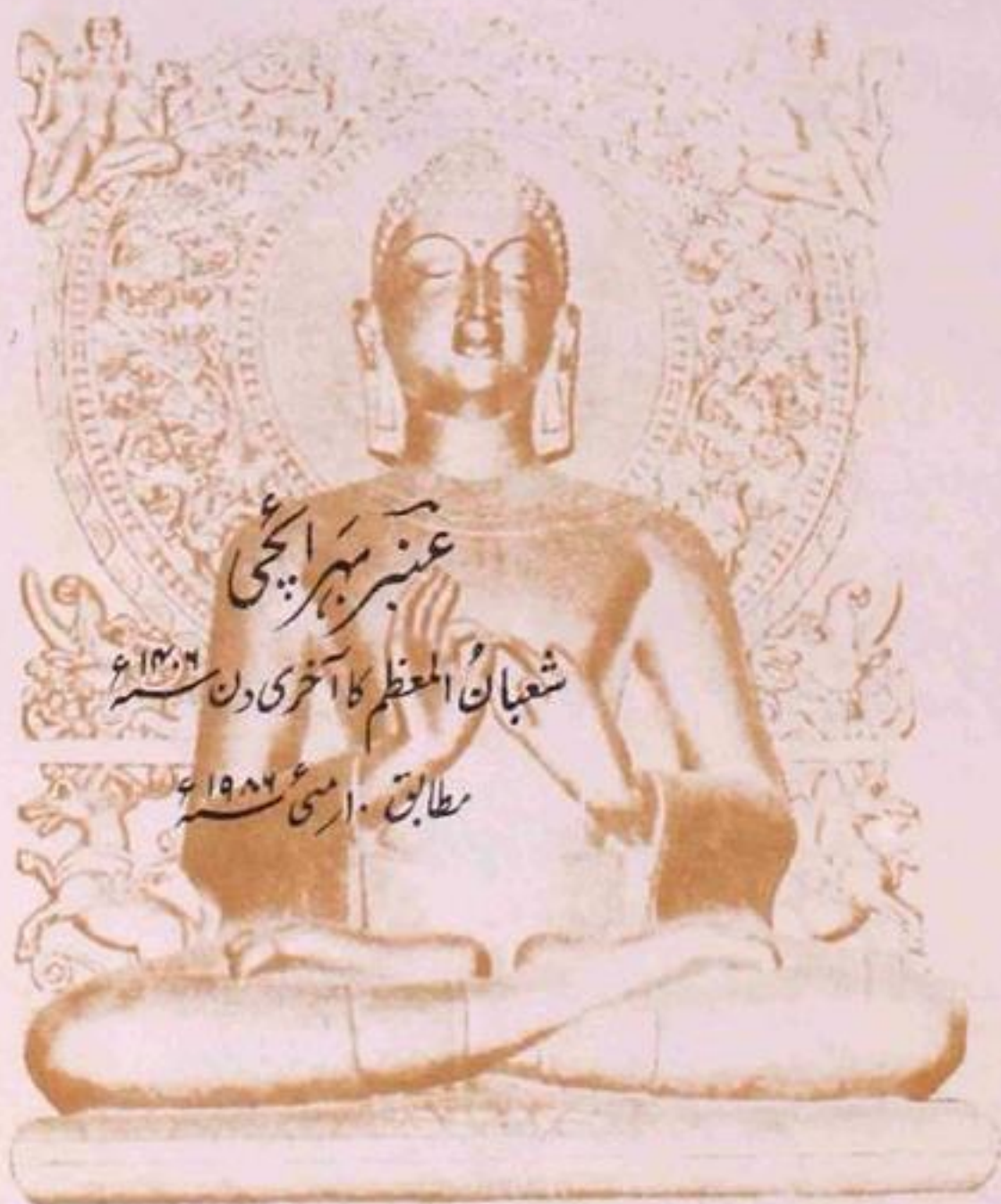
عنبر بہرائچی

شعبانُ المعظم کا آخری دن ۱۴۰۶ھ

مطابق ۱۰ مئی ۱۹۸۶ء

اشاریہ

		صفحہ	
(۱)	نہال معتبر	۱۶	بودھی ورکچھ یعنی شجرِ عرفان
(۲)	مہامایا	۳۰	گوتم کی سگی خالہ اور سوتیلی ماں
(۳)	مدن	۳۵	ہندو دیومالا میں عشق کا دیوتا
(۴)	مینکا	۳۵	ایک اپسرا، جسے اندر نے وشوامتر کی ریاضت میں خلل ڈالنے کے لیے بھیجا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئی تھی۔
(۵)	امراوتی	۴۲	دیوتاؤں کی بستی
(۶)	کپل وستو	۵۲	مہاراج شدھودن کا دارالسلطنت
(۷)	بمبا	۵۶	گوتم کی بیوی یشودھرا کے دوسرے نام بمبا اور گوپا بھی تھے
(۸)	گوتمی	۶۲	گوتم کی سگی خالہ اور ماں
(۹)	انگ راگ	۷۷	ابٹن
(۱۰)	کنتری	۷۸	ہمالہ کے کوہستانی علاقے میں پائے جانے والے قبیلے کی خوبصورت عورت۔
(۱۱)	مینکا	۷۹	جیساکہ حوالہ نمبر ۴ میں درج ہے۔
(۱۲)	جاں تے	۸۹	دیہی علاقوں میں پتھر کی چکی کو جانتہ کہتے ہیں اور اسے چلاتے وقت عورتیں جو گیت گاتی ہیں اسے جانتہ کا گیت کہتے ہیں۔
(۱۳)	گنیشی چوتھ	۱۰۳	وہ چوتھ کا دن جس میں ماں اپنے بیٹے کی خوش حالی کے لئے برت رکھتی ہے۔
(۱۴)	کرواچوتھ		وہ چوتھ کا دن جس میں بیوی اپنے شوہر کی خوشحالی کے لیے برت رکھتی ہے
(۱۵)	بھارگو	۱۰۵	ایک مشہور رشی
(۱۶)	لمبنی	۱۲۱	نیپال کی ترائی میں وہ مقام جہاں گوتم پیدا ہوئے تھے۔
(۱۷)	کوشلیا	۱۲۲	رام کی والدہ
(۱۸)	کنتی	۱۲۲	مہابھارت کا ایک اہم کردار، پانڈوؤں کی والدہ جو پانڈوؤں کے ساتھ صحرانورد ہوئی تھی۔
(۱۹)	جانکی	۱۲۹	رام کی شریکِ حیات سیتا، جو ان کے ساتھ جنگلوں میں گئی تھیں۔
(۲۰)	دشرتھ	۱۳۲	رام کے والد جو رام کے غم میں انتقال کر گئے تھے۔
(۲۱)	بھیشم پتامہ	۱۵۳	مہابھارت کا ایک اہم کردار جنھوں نے اپنے والد کی خوشی کیلئے اپنی شادی نہیں کی تھی۔
(۲۲)	رام	۱۵۳	رامائن کا مشہور کردار، جنھوں نے اپنے والد کے قول کو نبھانے کے لیے چودہ سال تک صحرانوردی کی۔
(۲۳)	دھولاگری	۱۶۷	ہمالہ کی ایک چوٹی کا نام
(۲۴)	خاندان مہر	۱۶۹	گوتم سورج ونشی تھے
(۲۵)	آٹھ راہوں پر	۱۹۷	صحیح علم۔ صحیح ارادہ۔ صحیح کلام۔ صحیح عمل۔ حلال کمائی۔ صحیح کوشش۔ نیک خیال اور سچا دھیان۔
(۲۶)	بدھ		عارف۔

دیگر مطبوعات

○ اقبال ایک ادھیین (ہندی)

جسے رائے بریلی کے مشہور ادارے 'دلیپ، دھرمیندر اسمرتی سنستھان' نے نثر کا 'وویکانند پرسکار' ۱۹۸۵ء عنایت کیا۔

○ مثنوی چراغِ دیر۔ غالب (ہندی ترجمہ)

زیر طباعت:

○ دُوب (غزلوں کا مجموعہ)

○ رُوپ انوپم (نعتیہ غزلوں اور گیتوں کا مجموعہ)

Printed at United Block Printers, Lucknow.